فیصلہ مقدمۂ جامع مسجد

کلکتہ

مدعیان:- حاجی الٰہ بخش و حاجی نصرت اللہ وغیرہم

مدعا علیہم:- عثمان، حاجی ابراہیم و محمد یعقوب وغیرہم

جسے فریقین نے متفقہ طور پر ہائی کورٹ کلکتہ سے واپس لے کر

مولانا ابو الکلام مدظلہ

کی خدمت مین فیصلہ کے لئے پیش کیا تھا

اور

جسے متولیان جامع مسجد نے عام مسلمانون کی آگاہی کے لئے شائع کیا

صرف ٹائیٹل وحیدی پریس نمبر ۳۰ ولی اللہ لین کلکتہ مین چھپا

فیصلہ مقدمہ جامع مسجد کلکتہ

مدعیان :- حاجی الٰہ بخش و حاجی نصرت اللہ وغیرہم۔

مدعا علیہم :- عثمان۔ حاجی ابراہیم۔ و محمد یعقوب وغیرہم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ۔ کلکتہ کے شمالی حصہ میں عرصہ سے ایک وسیع مسجد آباد ہے جسکو عام طور پر "بڑی مسجد" اور "ناخدا مسجد" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ "ناخدا" فارسی میں کشتی بان کو کہتے ہیں بمبئی اور کاٹھیاوار کے میمن تاجروں نے ابتداءً میں تجارت کے لئے جہاز رانی اختیار کی تھی۔ اسلئے ناخدا کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ناخدا کی مسجد سے مقصود یہ ہے کہ زیادہ تر انہیں لوگوں کی سعی و اہتمام سے یہ مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ عمارت کی وسعت، جماعت کی کثرت، اور موقعہ کی مناسبت سے اسکی مقبولیت روز بروز بڑھتی گئی، اور بہت جلد اسکو وہ حیثیت حاصل ہو گئی جو کسی بڑے شہر کی مرکزی جامع مسجد کی ہونی چاہئے۔

مسجد کی ابتدائی تاریخ۔

اسکی موجودہ وسعت کئی تعمیری تبدیلیوں کے بعد وجود میں آئی ہے سنہ ۱۸۵۶ء سے پہلے یہاں دو مسجدیں الگ الگ واقع تھیں اور ان کے درمیانی حصہ کی افتادہ زمین ایک ہندو کی ملکیت میں تھی۔ ایک شمالی جانب تھی جسکو "روشن حکاک" نے تعمیر کیا تھا۔ اور ایک جنوب کی جانب تھی جسکو "منشی حسن علی" نے تعمیر کیا تھا۔ یہی دونوں بانی اُن کے متولی بھی تھے۔

سند ہے جو اس مسجد کی نسبت مل سکی ہے۔ اور اسکی نقل کاغذاتِ مقدمہ میں شامل ہے۔

اس تحریر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ روشن حکاک والی مسجد کا ٹرسٹ قائم ہوچکا ہے۔ اور شمس النساء بیگم اس شرط پر جنوبی مسجد بھی اسکے سپرد کر رہی ہے کہ وہ یا اسکے جانشین یا منتقل الیہم دونوں مسجدوں اور درمیان کے قطعہ کو ملاکر ایک وسیع مسجد تعمیر کرینگے۔ اور اس کی آبادی و ترقی کیلئے تمام ممکن تدابیر عمل میں لائینگے۔ جو شرائط فریقین کے درمیان طے ہوئے تھے وہ حسب شہادت اقرارنامہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ ٹرسٹ یا اسکے وارث یا منتقل الیہم اس مسجد اور اسکی ملحقہ جائداد کی جگہ ایک وسیع تر مسجد اپنے روپیہ سے یا عام چندہ کرکے یا جس طرح مناسب سمجھیں، تعمیر کرینگے۔ اور اسکو عام مسلمانوں کی عبادت کے لئے وقف کردینگے۔

(۲) مسجد کے احاطے سے جو زمین فاضل بچ رہیگی، اس پر مسجد کیلئے مکانات اور دکانات تعمیر کرینگے تاکہ ان کی آمدنی سے مسجد کی ضروریات کا انتظام ہو۔

(۳) مسجد اور اس کی جائداد کی دائمی آبادی و قیام کیلئے اپنے روپیہ سے یا عام چندہ سے یا جس طرح مناسب سمجھیں ایسا انتظام کردینگے جو قابل اطمینان ہو اور ہمیشہ اسکی مرمت اور نگہداشت ہوتی رہے۔

(۴) ٹرسٹیوں کی تعداد کم سے کم چھ رہے گی۔

(۵) اگر ٹرسٹیوں میں سے کوئی ٹرسٹی مذہب تبدیل کردے یا ایک سال اور اس سے زیادہ عرصہ تک کلکتہ سے غیر حاضر رہے، تو ان صورتوں میں وہ ٹرسٹی نہ رہ سکے گا۔ اور اس منصب سے معزول ہو جائے گا۔

(۶) جب کسی ٹرسٹی کی جگہ خالی ہو تو بقیہ ٹرسٹیوں کے لئے ضروری ہو گا کہ

روشن حکاک نے مسجد کی آیندہ آبادی و انتظام کے لئے یہ بات ضروری سمجھی کہ اُسکی تولیت کسی معتمد جماعت کے سپرد کردی جائے۔ چنانچہ پانچ آدمیوں کا ایک ٹرسٹ قرار دیکر مسجد کی تولیت اور اُسکے تمام اختیارات ٹرسٹیوں کے نام منتقل کردئے۔ یہ جماعت حسب ذیل ٹرسٹیوں سے مرتب ہوئی تھی۔

(۱) سید نظام الدین

(۲) حاجی ذکریا محمد۔

(۳) حاجی احمد۔

(۴) حاجی صالح بن جوہر

(۵) حاجی الماس

یہ مسجد کے ٹرسٹ کی سب سے پہلی اور بنیادی جماعت ہے جو ۱۸۵۶ء سے پہلے وجود میں آئی۔ منشی حسن علی نے جو مسجد تعمیر کی تھی جب تک وہ زندہ رہے اُس کی تولیت اُنہی کے قبضہ میں رہی۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کی لڑکی شمس النساء بیگم متولیہ ہوئی

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۶ء میں متولیانِ مسجد جنوبی نے چاہا کہ شمالی مسجد اور درمیانی زمین کو ملاکر ایک وسیع جامع مسجد تعمیر کریں اور اس غرض سے شمس النساء کو دونوں مسجدوں کے الحاق پر توجہ دلائی۔ شمس النساء نے اُن کی درخواست منظور کرلی۔ اور اپنی مسجد کی تولیت بھی کامل طور پر اُنہی کے سپرد کردی۔ اس طرح دونوں مسجدوں کا انتظام ایک ہی ٹرسٹ کے ہاتھوں میں آگیا۔ اور اُس کو موقعہ ملا کہ ایک نئی وسیع مسجد تعمیر کرے۔

شمس النساء بیگم کی حوالگی باقاعدہ قانونی طریقہ پر عمل میں آئی تھی، اور انگریزی مراہک اقرارنامہ لکھ کر رجسٹری کرالیا گیا تھا۔ یہ اقرارنامہ سب سے پُرانی تحریری

اور وہ رقم خرید و فروخت میں وضع ہوتی رہتی ہے۔ ان لوگوں کی اصطلاح میں اِسکو "بتّی" کہتے ہیں۔ غالبًا تعمیر مسجد اور اُسکی دیگر ضروریات کے لئے بتّی کی آمدنی سے بھی مدد لی گئی، اور بہت جلد مسجد کے لئے روپیہ کا معقول انتظام ہوگیا۔

مسجد کی نسبت جو تحریری اور زبانی وسائل معلومات موجود ہیں، اُن سے ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ ٹرسٹیوں کی جماعت میں اِسکے بعد کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں؟ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ ٹرسٹ برابر قائم رہا، اور چوں کہ ٹرسٹیوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور کارکن وجود حاجی ذکریا تھا، اس لئے تمام کاموں میں وہی پیش پیش اور حاوی رہے۔ حتیٰ کہ عام طور پر وہی تنہا مسجد کے متولی سمجھے جاتے تھے، اور بہت سے لوگ مسجد کو "مسجد ذکریا" کے نام سے پکارنے لگے تھے۔

میمن جماعت ٹرسٹ اور میمن خیرات فنڈ

میمن جماعت کا قاعدہ ہے کہ جس جگہہ آباد ہوتے ہیں، اپنی جماعت کی معاشرتی اور بعض مذہبی ضروریات کا بطور خود انتظام کر لیتے ہیں، مثلاً شادی غمی کی تقریبات کے موقعہ پر ولیمہ و فاتحہ کی ضیافتیں کی جاتی ہیں۔ ان کے لئے ہر طرح کے برتنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ برتن جماعت کے مشترک سرمایہ سے ایک مرتبہ خرید لئے جاتے ہیں، اور پھر ہمیشہ جماعت کے امیر و غریب، ہر فرد کے کام میں آتے ہیں۔ اسیطرح برادری کو شادی غمی کی خبر دینے کے لئے ایک خاص شخص مقرر کردیا جاتا ہے، اسکا انتظام بھی جماعت کی طرف سے ہوتا ہے۔ اکثر حالتوں میں یہ لوگ اپنے لئے ایک خاص قبرستان کا بھی انتظام کر لیتے ہیں، اور وہاں باقاعدہ گورکن وغیرہ خدّام مقرر کرتے ہیں۔

اِن تمام اُمور کیلئے ایک "جماعت فنڈ" [illegible]

اُس کی جگہ پر کسی نئے شخص کو کثرت رائے سے منتخب کرلیں۔

اس اقرارنامہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسجد کے علاوہ مکانات وغیرہ کی شکل میں بھی جائداد تھی جو مسجد کے لئے ٹرسٹ کے حوالے کی گئی اور شمس النسا نے انکی برائے نام قیمت لیکر پوری طرح دست برداری کا اقرار کرلیا۔

چنانچہ ٹرسٹیوں نے اس اقرارنامہ کے بعد ہی نئی مسجد کی تعمیر شروع کردی اور دونوں مسجدوں کی درمیانی زمین بھی خرید لی جسکا بیع نامہ موجود ہے۔

۱۸۵۰ء میں یہ تعمیر شروع ہوئی تھی، مسجد کے ہال کے دروازہ پر جو قطعہ تاریخ درج ہے اس میں سال تعمیر ۱۸۵۰ء تبلایا گیا ہے۔

میمن جماعت یہ وہ زمانہ تھا کہ کلکتہ میں صوبہ بمبئی کے میمن تاجروں کی جماعت نے دولت وعزت میں بہت فروغ پایا تھا۔ اور مسجد کے قرب وجوار میں اُنکی سربرآوردہ جماعت آباد تھی۔ حاجی ذکریا مرحوم جو مندرجہ صدر ٹرسٹیوں میں سے ایک ٹرسٹی تھے، اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور اپنی جماعت کے بھی سربراہ اور معتمد علیہ رکن تھے۔ اِسلئے ابتداء سے اس جماعت کی دلچسپی اور خدمات مسجد کو حاصل ہوگئیں اور چونکہ یہی جماعت شہر کے شمالی حصہ میں سب سے بڑی متمول مسلمان جماعت تھی، اِسلئے قدرتی طور پر انہی لوگوں کو اس مذہبی خدمت سے زیادہ دلچسپی ہونی بھی چاہئے تھی۔

ٹرسٹیوں نے جن میں سب سے زیادہ نمایاں وجود حاجی ذکریا مرحوم کا تھا جس روپیہ سے مسجد کی تعمیر کی، اس میں زیادہ تر حصہ خود ان کے روپیہ اور انکی جماعت کے روپیہ کا تھا۔ البتہ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ عام مسلمانوں سے بھی چندہ وصول کیا گیا تھا۔ میمن تاجروں کا دیگر تاجر جماعتوں کی طرح قاعدہ ہے کہ وہ اپنے کاروبار میں ہمیشہ ایک معین رقم خیراتی کاموں کے لئے بھی رکھا کرتے ہیں،

حاجی ذکریا کا انتقال

حاجی ذکریا مرحوم کا سنہ ۱۸۷۳ء میں انتقال ہو گیا۔ اُن کی جگہہ حاجی نور محمد ان کے لڑکے جانشین ہوئے، اور جو حیثیت مسجد کی تولیت اور میمن جماعت کی سربراہی کی اُن کے والد کو حاصل تھی، وہی اُن کو بھی حاصل ہو گئی، اور چونکہ وہ نسبتاً تعلیم یافتہ اور عام میل جول رکھنے والے آدمی تھے، اسلئے میمن جماعت سے باہر بھی اُن کی ایک ممتاز حیثیت قائم ہو گئی۔ تاہم انکے وقت میں بھی مسجد کا ٹرسٹ بدستور موجود تھا، لیکن میمن جماعت کے کاموں اور مسجد کے کاموں، دونوں میں، نمایاں شخصیت صرف انہی کی تھی۔

حاجی ذکریا کی وفات کے بعد انکی فرم کی کاروباری حالت خراب ہو گئی تھی۔ اسلئے حاجی نور محمد کی مالی حالت روز بروز بگڑ تی گئی، چند سالوں تک اپنی خاندانی شہرت کیوجہ سے سنبھلے رہے لیکن بالآخر نہ سنبھل سکے اس اثناء میں میمن جماعت کا فنڈ بھی بہت وسیع ہو چکا تھا اور نقد آمدنی کے علاوہ متعدد جائدادیں خریدی جا چکی تھیں۔ یہ تمام جائداد بھی حاجی نور محمد مرحوم کے قبضہ میں تھی، وہ جس طرح چاہتے تھے اسکی آمدنی کو خرچ کرتے تھے، ایسا باور کرنے کیلئے کافی وجوہ موجود ہیں کہ کاروباری حالت کی خرابی اور ذاتی اسراف و بے عنوانی کی وجہ سے حاجی نور محمد کے انتظامات قابل اطمینان نہ رہے اور بالکل وہ حالت پیدا ہو گئی جو بدقسمتی سے ہندوستان کے اوقاف کو ہر جگہہ پیش آ چکی ہے اور پیش آ رہی ہے نہ تو باقاعدہ حساب و کتاب تھا، نہ کسی طرح کی ذمہ داری اور جوابدہی تھی۔ مسجد کے بقیہ ٹرسٹی برائے نام رہ گئے تھے، اور جماعت فنڈ کے لئے جماعت بالکل بے اثر تھی، کامل خودمختاری اور مطلق العنانی کے ساتھ حاجی نور محمد ان تمام اوقاف پر قابض و متصرف تھے۔

حاجی ذکریا کے زمانہ سے چونکہ مسجد اور میمن جماعت فنڈ دونوں کی

رقم داخل کرتا ہے۔ یا جماعت کے متمول اور فیاض افراد اپنی عطیات سے اسکی کمی پوری کردیتے ہیں، جماعت میں جو شخص سر برآوردہ اور ممتاز ہوتا ہے، وہ اس فنڈ کا امین ہوتا ہے اور جماعت کی جانب سے یہ تمام انتظامات انجام دیتا ہے۔ بمبئی کے علاوہ (جو اس جماعت کا اصل مرکز ہے) مدراس، بنگلور، رنگون، وغیرہ مشہور شہروں میں بھی اسی طرح کا انتظام عرصہ سے جاری ہے۔ اور جماعت فنڈ کے علاوہ ان کا مخصوص قبرستان بھی موجود ہے۔

کلکتہ میں بھی انھوں نے ابتداء سے اپنی جماعت کے لئے یہ انتظامات شروع کردئیے تھے اور حاجی ذکریا مرحوم سر برآوردہ میمن تاجر ہونے کی وجہ سے اس فنڈ کے امین و مہتمم تھے، غالباً سنہ ۱۸۵۵ء میں ایک قطعۂ زمین قبرستان کے لئے مانک تلا میں خریدا گیا، اور پھر اطراف کے چند ٹکڑے لیکر اسکو وسیع کیا گیا، یہ قبرستان اس جماعت کا خاص قبرستان تھا۔ اسکے سوا شہر کے کسی قبرستان میں انکی اموات دفن نہیں کیجاتی تھیں، البتہ غیر میمن مسلمانوں کے لئے بھی بالکل روک نہ تھی جن غیر میمن مسلمانوں سے ان لوگوں کے تعلقات تھے، یا بوجہ علم و بزرگی کے انسے عقیدت رکھتے تھے، یا کوئی خاص صورت سفارش کی پیش آجاتی تھی، اُن کو بھی یہاں دفن کرنے کی اجازت دیدی جاتی تھی۔ چنانچہ خود میرے والدین اور بھائی اس قبرستان میں مدفون ہیں۔

پس حاجی ذکریا مرحوم اپنی زندگی میں بیک وقت مسجد کے بھی متولی تھے اور میمن جماعت کے جماعتی اور خیراتی کاموں کے بھی سربراہ اور امین و مہتمم تھے۔ مسجد کی تاریخ اور معاملات میں ان دو مختلف حیثیتوں کا ایک ہی شخص میں جمع ہوجانا خاص طور پر قابلِ غور و نظر ہے۔ کیونکہ اس اجتماع مناسب کی وجہ سے طرح طرح کے اُلجھاؤ آگے چلکر پیدا ہوگئے۔

بیگم والے ٹرسٹ میں حسب ذیل پانچ شخص ٹرسٹی تھے۔
حاجی نور محمد ذکریا۔ حاجی صالح محمد الیاس عثمان حاجی اللہ رکھیا حاجی عبداللہ حاجی واحدنا۔ حاجی صابو الیاس۔

اس دعوے میں ظاہر کیا گیا تھا کہ حاجی نور محمد نے مسجد اور جماعت کے ٹرسٹ کو نقصان پہنچایا ہے، اسلئے اُن سے حساب طلب کرنا چاہیئے اور آیندہ وہ اس منصب سے معزول کر دیئے جائیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ دعوی پوری نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا تھا اور اس کا مقصد ہر طرح صحیح اور صاف تھا اگر یہ چارہ جوئی نہ کیجاتی تو مسجد اور جماعت کے اوقاف خطرہ میں پڑجاتے لیکن افسوس ہے کہ مدعیوں کو مسجد کی تاریخ اور ٹرسٹ کے پورے حالات معلوم نہ ہوسکے اس لئے اُنہوں نے دعوے کی جو بنیاد قرار دی وہ صحیح نہ تھی یعنی اُنہوں نے مسجد اور جماعت ٹرسٹ کی مختلف حیثیتوں کو واضح نہیں کیا، نہ شمس النساء بیگم کے ٹرسٹ کا ذکر کیا صرف میمن جماعت ٹرسٹ کا وجود تسلیم کیا۔ اس غلطی سے حاجی نور محمد کو موقعہ ملا کہ دعوی کی مبادیات کا پورے زور کے ساتھ رد کر دے اور اس سے فائدہ اُٹھائے تاہم وہ بھی اپنے شخصی فوائد کے تحفظ کے لئے مجبور ہوا کہ اصلیت سے انحراف کرے کیونکہ جواب دعوی میں مسجد ٹرسٹ کا ذکر کرکے وہ صرف اپنے والد کی تولیت کا دعوی کرتا ہے اور اُسکے بعد خود اپنی جانشینی تولیت کا مدعی ہے نیز عام مسلمانوں کا انتخاب و حق انتخاب کو بطور اصل کے بار بار دہراتا ہے، حالانکہ مسجد کی تولیت کی اصلی بنا روشن حکاک او شمس النساء کا تقرر تھا اور پہلے تقرر کے بعد خود ٹرسٹیوں کا انتخاب متولی صرف حاجی ذکریا ہی نہ تھے نہ اُنہیں نسل و جانشینی کو دخل تھا نہ عام مسلمانوں کے انتخاب کو۔ عام مسلمانوں نے نہ تو حاجی ذکریا اور اُن کے ساتھیوں کو چنا تھا نہ حاجی نور محمد کو۔

تولیت ایک ہی ہاتھ میں رہی۔ اور اس حالت پر سالہا سال گذر گئے، اس لئے اب دونوں صیغوں میں عملاً کوئی نمایاں اِمتیاز بھی باقی نہیں رہا تھا، ایک ہی شخص کے اختیار میں دونوں کام تھے، وہ جس طرح چاہتا تھا اُن میں خود مختارانہ تصرف کرتا تھا۔

مقدمہ ۱۹۰۷ء کچھی میمن جماعت کے سر برآوردہ لوگوں نے جب یہ حالت دیکھی تو حاجی **نور محمد** مرحوم سے بازپُرس شروع کی، اور اِن کی مطلق العنانیوں کو روکنا چاہا۔ جماعت مداخل و مصارف کا حساب طلب کرتی تھی۔ اور آیندہ کی نسبت اطمینان چاہتی تھی کہ ایسی بے عنوانی نہ ہوگی، لیکن حاجی **نور محمد** اپنے کو بالکل خود مختار ظاہر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جماعت کو کسی طرح کی بازپرس اور مداخلت کا حق نہیں ہے۔ کئی سال تک یہ کشمکش جاری رہی۔ ایک مرتبہ یہ معاملہ والد مرحوم کے سامنے بھی آیا اور مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ اُنہوں نے بھی اِس بارے میں فہمایش کی۔ حاجی ذکریا مرحوم اور اُنکے شریک تجارت حاجی عبد الواحد واحدنا والد مرحوم کے خاص ارادت مندوں میں تھے ۱۸۶۴ء میں جب وہ پہلی مرتبہ مکہ معظمہ سے کلکتہ آئے تو حاجی ذکریا مرحوم ہی کے یہاں ٹھیرے اور مسجد کے تمام انتظامات اُن کے سامنے وقوع میں آئے۔ اِسلئے وہ اِس بارے میں ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ اور مسجد کے تمام ابتدائی اور بنیادی حالات سے واقف تھے۔ بایں ہمہ اُن کی فہمایش کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اور بالآخر ۱۹۰۷ء میں یہ معاملہ ہائی کورٹ تک پہنچا۔ اور جماعت کی جانب سے حاجی **نور محمد** پر حساب فہمی کا دعویٰ دائر کر دیا گیا۔

یہ دعویٰ اگرچہ حاجی **نور محمد** پر تھا، لیکن نالش پانچ ٹرسٹیوں پر کی گئی، اور عرضی دعویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت **روشن حکاک** اور **شمس النسأ**

(۱) یہ پہلا موقعہ ہے جب باقاعدہ طور پر میمن جماعت خیرات فنڈ کی تولیت بھی اس ٹرسٹ کے ماتحت کردی گئی ہے، جو مسجد کا انتظام کررہی ہے، عملاً ابتداء سے ایسا ہی ہورہا تھا، لیکن ابتک اسکا اظہار باقاعدہ اور قانونی شکل میں نہیں ہوا تھا۔

(۲) یہ شرط ٹھیرائی گئی کہ صرف میمن جماعت ہی میں سے متولیوں کا انتخاب عمل میں آئیگا، یہ خصوصیت شمس النساء بیگم کے تولیت نامہ میں نہ تھی۔

(۳) شمس النساء بیگم نے متولی چننے کا حق خود متولیون کو دیا تھا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، لیکن اسمیں میمن جماعت کو دیا گیا، یعنی یہ قاعدہ ٹھیرایا گیا کہ جب کسی متولی کی جگہہ خالی ہو تو میمن جماعت نئے متولی کو اپنی کثرت رائے سے انتخاب کرے، اسکی ضرورت اسلئے ہوئی ہوگی کہ میمن جماعت کا فنڈ بھی اسی ٹرسٹ کے حوالہ کردیا گیا تھا، اور اسکی تولیت کے لئے حق انتخاب ضرور میمن جماعت کو ملنا چاہئے تھا۔

(۴) یہ قاعدہ قرار دیا گیا کہ ہمیشہ حاجی محمد ذکریا مرحوم کے خاندان کا کوئی ایک آدمی ضرور متولی منتخب ہوگا۔

بقیہ قواعد محض انتظامی ہیں، اور ان کو اصل ٹرسٹ کی شرایط میں دخل نہیں ہے۔

چنانچہ سنہ ۱۹۰۷ء سے اسوقت تک انہی قواعد و شرائط کے مطابق ٹرسٹ قائم ہے، سنہ ۱۹۱۵ء میں حاجی نور محمد کا انتقال ہوگیا، اور ان کی جگہہ ان کے خاندان سے ایک شخص منتخب کیا گیا، جو اس وقت تک متولی ہے۔

موجودہ مقدمہ سنہ ۱۹۱۹ سنہ ۱۹۲۰ء موجودہ مقدمہ کی بنیاد یہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء کے اواخر میں متولیوں اور امام مسجد میں باہم مخالفت رونما ہوئی، اسکے بعد متولیوں کے بعض انتظامات سے امام مسجد اور مصلیوں کو اختلاف ہوا، پھر

بہر حال کچھ عرصہ تک اس مقدمہ کی کشمکش جاری رہی لیکن بالآخر فریقین نے باہمی رضامندی کے ساتھ فیصلہ کر لیا اور اس فیصلہ کی تصدیق باقاعدہ کورٹ میں داخل کرا کے کرالی گئی۔

اس فیصلہ میں آیندہ کے لئے حسب ذیل تصفیات قرار پائے۔

(۱) کچھی میمن خیرات فنڈ، قبرستان اور مسجد تینوں کی تولیت ایک ہی ٹرسٹ کے قبضہ میں رہیگی اور وہ حسب ذیل ممبروں سے مرکب ہے۔

حاجی نور محمد ذکریا حاجی صالح محمد الیاس۔ عثمان حاجی اللہ رکھیا۔ حاجی عبداللہ حاجی واحدنا۔ عثمان حاجی ابراہیم۔ حاجی میاں محمد حاجی عبداللطیف محمد یعقوب۔

(۲) حسب ذیل جائداد ٹرسٹ مذکور کی تولیت میں رہیگی مکان نمبر ۱ داؤد جو [illegible] ایضاً نمبر ۱۸ ایضاً نمبر ۲۳ [illegible] ایضاً نمبر ۶ ہاسپٹل لین۔

(۳) ان کے انتظام کے لئے باقاعدہ دفتر اور حساب کا عملہ ہوگا جو اس سے پہلے نہ تھا۔

اس طرح حاجی نور محمد مرحوم کی خود مختاری ختم ہوگئی اور تمام اوقاف ایک ذمہ دار ادارہ کے زیر انتظام آگئے اس وقت سے باقاعدہ مسجد اور میمن جماعت فنڈ کا حساب لکھا جانے لگا اور تمام آمد و خرچ میں انضباط و تنظیم پیدا ہوگئی

راضی نامہ [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ نئے جدید شرائط [illegible] اور زیادہ داروں کے [illegible] لیکن [illegible] اور بھی بڑھائے گئے ہیں جو پہلی تولیت نامہ میں [illegible] سب ذیل ہیں۔

(۳) اس ٹرسٹ نے مسجد اور قبرستان کے اوقاف خلاف شرع و قانون تصرفات کئے ہیں مثلاً۔

(الف) مسجد کی موقوفہ جائداد کو کچھی میمن خیرات ٹرسٹ کے نام ہوا لک کر لیا

(ب) قبرستان کو صرف کچھی میمن جماعت کے لئے مخصوص کر دیا حالانکہ وہ تمام مسلمانان شہر کیلئے تھا نیز قبرستان کے ایک حصہ میں ناجائز تصرف کرکے دکانیں تعمیر کر لیں۔

(ج) وہ مسجد کو اپنی ذاتی جائداد سمجھتے ہیں اور مصلیوں کے جائز و مفید مشوروں کی پرواہ نہیں کرتے۔ چنانچہ

(د) ان لوگوں نے کارپوریشن کلکتہ سے مسجد کے جنوبی جانب دکانات بنانے اور صحن مسجد کم کرکے دیوار بلند کرنے کی اجازت ناجائز طور پر حاصل کر لی، اور مصلیوں سے اس بارے میں کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ مصلی اس تعمیر کے خلاف ہیں، کیونکہ اس سے صحن بند ہو جائے گا، اور تازہ ہوا کافی نہ آسکے گی؛ جب مصلیوں نے اس پر اعتراض کیا تو کہا گیا کہ انھیں کوئی حق اعتراض کا نہیں ہے۔

(ھ) مسجد کے لئے جانماز اور قرآئیں مہیا نہیں کرتے۔

(و) خلاف دستور سابق مسجد میں شیرینی تقسیم کرنا، اور مختلف ایام متبرکہ میں خیرات کرنا بند کر دیا ہے۔

(ز) موجودہ امام مسجد کو مصلیوں کی خواہش کے خلاف برطرف کر دیا گیا یا برطرف کرنا چاہتے ہیں۔

(ح) تمام موجودہ متولی یا مفلس و مقروض ہیں، یا ناتجربہ کار، یا متمول مگر تارک صلوٰۃ و جماعت۔

(ط) مسجد میں وعظ و بیان کا سلسلہ روک دیا ہے۔

باہمی نزاع یہاں تک بڑھی کہ متولیانِ مسجد کے خلاف ایک گروہ نے مجتمع ہو کر باقاعدہ نالش ہائی کورٹ میں دائر کردی۔

جنوری سنہ ۱۹۲۰ء میں جب میں نظر بندی سے رہا ہو کر کلکتہ واپس آیا تو اس مقدمہ کے حالات معلوم ہوئے، فریقین نے یہ بات محسوس کی کہ ایک شرعی اسلامی معاملہ و وقف کو غیر مسلم عدالت سے فیصلہ کرانا، انکے اسلامی فرائض و وظائف کے بالکل خلاف ہے، علی الخصوص جبکہ ایک مسجد کا معاملہ بھی اس سے وابستہ ہو، چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد فریقین نے متفقہ طور پر یہ معاملہ میرے سامنے پیش کیا اور خواہش کی کہ سماع حالات کے بعد احکام شرعیہ کے مطابق فیصلہ کردوں ساتھ ہی فریقین نے باقاعدہ اس مضمون کی تحریر پر دستخط بھی کردئے۔

اب میں تمام کاغذاتِ مقدمہ کی بحث و نظر اور فریقین کے اظہارات کی سماع کے بعد حسب ذیل فیصلہ صادر کرتا ہوں۔

فیصلہ

مدعیوں کے دعاوی مدعیوں کا دعوی حسب ذیل ہے:

(۱) موجودہ ٹرسٹ قابل تسلیم نہیں، نہ اسکا قبضہ جائز ہے، اس لئے کہ حاجی نور محمد اور میمن جماعت نے آپس میں ملکر راضی نامہ کرلیا اور ایک ٹرسٹ بنالیا، عام مسلمانوں سے نہ کوئی رائے لی گئی، نہ ان کے انتخاب کو اس میں کوئی دخل تھا۔

(۲) مسجد کا حق تولیت صرف کچھی میمن جماعت کو دیدیا گیا، غیر میمن مسلمانوں کو حق تولیت سے محروم کردیا گیا، حالانکہ مسجد کے متولیوں کا انتخاب عام مسلمانوں میں سے اور عام مسلمانوں کے انتخاب سے ہونا چاہئے۔

(۲) اس ٹرسٹ نے مسجد اور قبرستان کے اوقاف خلاف شرع و قانون تصرفات کئے ہیں مثلاً۔

(الف) مسجد کی موقوفہ جائداد کو کچھی میمن خیرات ٹرسٹ کے نام سے الاٹ کرلیا۔

(ب) قبرستان کو صرف کچھی میمن جماعت کے لئے مخصوص کردیا حالانکہ وہ تمام مسلمانان شہر کیلئے تھا نیز قبرستان کے ایک حصہ میں ناجائز تصرف کرکے دکانیں تعمیر کرلیں۔

(ج) وہ مسجد کو اپنی ذاتی جائداد سمجھتے ہیں اور مصلیوں کے جائز و مفید مشوروں کی پرواہ نہیں کرتے۔ چنانچہ

(د) ان لوگوں نے کارپوریشن کلکتہ سے مسجد کے جنوبی جانب دکانات بنانے اور صحن مسجد کم کرکے دیوار بلند کرنے کی اجازت ناجائز طور پر حاصل کرلی، اور مصلیوں سے اس بارے میں کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ مصلی اس تعمیر کے خلاف ہیں، کیونکہ اس سے صحن بند ہوجائے گا، اور تازہ ہوا کافی نہ آسکے گی، جب مصلیوں نے اس پر اعتراض کیا تو کہا گیا کہ انھیں کوئی حق اعتراض کا نہیں ہے۔

(ھ) مسجد کے لئے جانماز اور قالین مہیا نہیں کرتے۔

(و) خلاف دستور سابق مسجد میں شیرینی تقسیم کرنا، اور مختلف ایام متبرکہ میں خیرات کرنا بند کردیا ہے۔

(ز) موجودہ امام مسجد کو مصلیوں کی خواہش کے خلاف برطرف کردیا یا برطرف کرنا چاہتے ہیں۔

(ح) تمام موجودہ متولی یا مفلس و مقروض ہیں، یا ناتجربہ کار، یا متمول گر تارک صلوٰۃ و جماعت۔

(ط) مسجد میں وعظ و بیان کا سلسلہ روک دیا ہے۔

جوابِ دعویٰ مدعا علیہم کی جانب سے جوابِ دعویٰ میں انکار کیا گیا ہے۔ مسجد ٹرسٹ کی نسبت وہ مدعیوں کے بیان کی تصدیق نہیں کرتے۔ نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شمس النساء بیگم کے تولیت نامہ کی رو سے قائم ہوا ہے۔ انکا اظہار یہ ہے کہ کلکتہ میں میمن جماعت نے اپنے طور پر ایک مسجد، قبرستان، اور جماعت کی دیگر ضروریات کا انتظام کیا۔ اور جسطرح قبرستان بنایا اسی طرح مسجد بھی تعمیر کی۔

حاجی ذکریا مرحوم میمن جماعت کی جانب سے متولی مقرر ہوئے تھے، اور اِن کے بعد حاجی نور محمد ہوئے نہ تو عام مسلمانوں کی جانب سے یہ انتخاب ہوا اور نہ شمس النساء بیگم کی انسبت اُنہیں کچھ معلوم ہے۔ جائداد موقوفہ کی نسبت وہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسجد کی ہیں، انکو کبھی میمن خیرات فنڈ کا قرار دیتے ہیں۔

بقیہ الزامات سے بھی انکار کیا ہے۔

دعویٰ نمبر ۱ اور امور تنقیح طلب مقدمہ کے تمام کاغذات و حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل تنقیح طلب امور حسبِ ذیل ہیں۔ اُنہی کی تحقیق، صحیح فیصلہ تک یا اُسکے ماخذ تک پہنچا سکتی ہے۔

(۱) مسجد کی تولیت اور حق تولیت کی اصلی بنا کیا ہے؟

(۲) وہ ۱۹۰۷ء تک جبکہ میمن جماعت اور متولیوں میں باہم فیصلہ ہوا اور موجودہ انتظام قرار پایا، قائم تھی یا اُس میں فتور آچکا تھا؟

(۳) ۱۹۰۷ء کے فیصلہ میں جو انتظام قرار پایا وہ کوئی نیا انتظام تھا یا اُسکی بنیاد سابق بنا کی درستگی اور مضبوطی پر تھی؟

(۴) جو قواعد اِس موقعہ پر قرار پائے، اُن کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور

قابل قبول ہیں یا نہیں ؟

(۵) مسجد ٹرسٹ اور کچھی میمن خیرات فنڈ دو الگ الگ چیزیں ہیں یا ایک ہے۔؟ اور جو جائداد کچھی میمن خیرات فنڈ کے لئے قرار دی گئی، کیا وہ پہلے مسجد کی موقوفات میں داخل تھی؟ اور کیا شرعًا ثبوت اسکا موجود ہے؟

(۶) موجودہ متولیوں کے کاموں کی نسبت جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ کہانتک صحیح ہیں؟ اور کیا وہ متولیوں کے عزل کے لئے شرعًا وجوہ کا کام دے سکتے ہیں؟

اب میں فردًا فردًا ہر دفعہ پر نظر ڈالتا ہوں۔

امر اوّل کی نسبت یہ قطعی اور مسلم ہے کہ مسجد کی تولیت کی اصلی بنا روشن حکاک اور شمس النساء بیگم کا وقف اور اُسکے مقررہ شرائط ہیں۔ روشن حکاک نے کیا شرائط قرار دئے تھے؟ اُسکی نسبت کوئی تحریری یا زبانی شہادت موجود نہیں ہے، لیکن شمس النساء بیگم کا تولیت نامہ موجود ہے، جس سے ہمکو روشن حکاک کی مسجد اور اُسکے ٹرسٹ کا بھی حال معلوم ہوتا ہے۔ اس تولیت نامہ میں جو شرایط موجود ہیں، وہ مسجد کے لئے واقف کی بنیادی شرائط ہیں، اور کسی حال میں بھی اُن سے انکار و انحراف نہیں ہوسکتا، اور نہ اُس کو باطل و رد کیا جاسکتا ہے۔

اس تولیت نامہ کی رو سے جن متولیوں کو مزید تعمیر و توسیع کی شرط پر مسجد مع متعلقات موقوفہ سپرد کی گئی تھی، اُنھوں نے حسب قرار و شرایط نئی مسجد تعمیر کی اور وہ ٹرسٹ برابر ہر زمانہ میں قایم رہا۔

اوپر گذر چکا ہے کہ روشن حکاک اور شمس النساء بیگم کی مسجدوں کے درمیان ایک قطعۂ زمین کسی ہندو کی ملکیت میں واقع تھا، شمس النساء بیگم نے

جوابِ دعویٰ مدعا علیہم کی جانب سے جوابِ دعویٰ میں انکار کیا گیا ہے۔ مسجد ٹرسٹ کی نسبت وہ مدعیوں کے بیان کی تصدیق نہیں کرتے۔ نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شمس النساء بیگم کے تولیت نامہ کی رو سے قائم ہوا ہے۔ اُنکا اظہار یہ ہے کہ کلکتہ میں میمن جماعت نے اپنے طور پر ایک مسجد، قبرستان، اور جماعت کی دیگر ضروریات کا انتظام کیا۔ اور جسطرح قبرستان بنایا اسی طرح مسجد بھی تعمیر کی۔

حاجی ذکریا مرحوم میمن جماعت کی جانب سے متولی مقرر ہوئے تھے، اور اِن کے بعد حاجی نور محمد ہوئے نہ تو عام مسلمانوں کی جانب سے یہ انتخاب ہوا اور نہ شمس النساء بیگم کی نسبت اُنہیں کچھ معلوم ہے۔

جائداد موقوفہ کی نسبت وہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسجد کی ہیں، انکو کبھی میمن خیرات فنڈ کا قرار دیتے ہیں۔

بقیہ الزامات سے بھی انکار کیا ہے۔

دعویٰ نمبر ا۔ اور امور تنقیح طلب۔ مقدمہ کے تمام کاغذات و حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل تنقیح طلب امور حسبِ ذیل ہیں۔ اُنہی کی تحقیق، صحیح فیصلہ تک یا اُسکے ماخذ تک پہنچا سکتی ہے۔

(۱) مسجد کی تولیت اور حقِ تولیت کی اصلی بنا کیا ہے؟

(۲) وہ ۱۹۰۸ء تک جبکہ میمن جماعت اور متولیوں میں باہم فیصلہ ہوا۔ اور موجودہ انتظام قرار پایا، قائم تھی یا اُس میں فتور آچکا تھا؟

(۳) ۱۹۰۸ء کے فیصلہ میں جو انتظام قرار پایا وہ کوئی نیا انتظام تھا یا اُسکی بنیاد سابق بنا کی درستگی اور منطبق ہی پر تھی؟

(۴) جو قواعد اِس موقعہ پر قرار پائے، اُن کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور

صرف اس لئے تھی کہ مسجد اور جماعت فنڈ کے ٹرسٹ میں حاجی نور محمد مرحوم کی مطلق العنانی اور بے عنوانی روک دی جائے اور اُن سے اعتراف کرایا جائے کہ اپنے تصرفات میں کسی جماعت کے آگے جوابدہ نہیں۔ ٹرسٹ اُس وقت بھی باقاعدہ موجود تھا، لیکن بقیہ متولی محض برائے نام رہ گئے تھے۔ اور ہر طرح کا اختیار اور تصرف صرف ایک ہی شخص کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ جماعت اس فساد کو دور کرنا چاہتی تھی۔ پس جب حاجی نور محمد طیار ہو گئے کہ آئندہ اپنی خود مختاریوں سے باز آجائیں اور جوابدہی اور باقاعدگی کے ساتھ ٹرسٹ کے ایک رکن کی طرح کام کریں، تو جماعت کا اصلی مقصد حاصل ہو گیا۔ اسلئے مزید عدالتی کارروائی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور فریقین نے متفق ہو کر ٹرسٹ کا باقاعدہ اقتدار قائم کر دیا۔ پس سنہ ۱۹۰۷ء والا ٹرسٹ کوئی نیا ٹرسٹ نہ تھا، وہی ٹرسٹ تھا جو سنہ ۱۸۵۲ء سے چلا آتا ہے۔ راضی نامہ کی وجہ سے صرف یہ نئی بات پیدا ہو گئی کہ حاجی نور محمد کی خود مختاریوں کو مقید کر دیا گیا اور ٹرسٹ کے کاموں میں باقاعدگی اور ذمہ داری پیدا ہو گئی۔

باقی رہی یہ بات کہ جماعت فنڈ اور قبرستان کا بھی انتظام اسی ٹرسٹ کے قبضہ میں دیا گیا، تو یہ بات کسی طرح مسجد ٹرسٹ کی حیثیت کو نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اگر ایک ٹرسٹ پہلے سے قائم ہو اور کوئی جماعت اسپر اعتماد کر کے اپنی ایک چیز بھی اسکے حوالہ کر دے تو یہ نہ تو خلاف شرع ہے نہ خلاف قانون۔

واقعہ یہ ہے کہ حاجی ذکریا مدۃ العمر اور حاجی نور محمد اوائل میں بیک وقت مسجد ٹرسٹ اور میمن جماعت فنڈ، دونوں کے متولی اور کارکن رہے ہیں۔ اسی وجہ سے دونوں کاموں کی مستقل ہستی بہت سے لوگوں پر مشتبہ ہو گئی اور

جن شرائط پر یہ مسجد متولیوں کے حوالہ کی، اُن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس زمین کو خرید کر اور دونوں مسجدوں کو ملا کر ایک نئی وسیع مسجد تعمیر کریں گے، چنانچہ یہ زمین خریدی گئی۔ اور اُسکے بیع نامہ کی نقل کاغذات مقدمہ میں شامل ہے، اس کاغذ کے دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شمس النساء بیگم والا ٹرسٹ برابر کام کر رہا ہے، اور اُسکے نام سے زمین خریدی گئی ہے۔

البتہ پانچ متولیوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور کارکن شخصیت حاجی ذکریا مرحوم اور اُنکے بعد حاجی **نور محمد** کی تھی، اسلئے وہی پیش پیش رہے، ایسا ہونا قدرتی ہے اور ہمیشہ ہوتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بقیہ متولیوں کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

امر دوم کی نسبت بھی ظاہر ہے کہ ۱۹۰۷ء میں **شمس النساء بیگم** والا ٹرسٹ موجود تھا، کیونکہ میمن جماعت کی جانب سے جو نالش دائر کی گئی تھی، وہ صرف حاجی **نور محمد** مرحوم کے نام پر نہ تھی، بلکہ اُن کے ساتھ چار نام اور بھی تھے۔ جیسا کہ عرضی دعویٰ کی نقل سے ظاہر ہے، اور خود مدعیوں نے اپنی عرضی دعویٰ میں ضمناً اس واقعہ کا اعتراف کیا ہے۔

اب فیصلہ کن **امر تیسرا** ہے یعنی جو باہم فیصلہ ۱۹۰۷ء میں ہوا، اور اُس نے جس ٹرسٹ کا انتظام آیندہ کے لئے قرار دیا، وہ کوئی نیا ٹرسٹ ہے، یا وہی **روشن حکاک** اور **شمس النساء بیگم** والا ٹرسٹ؟

اس کا جواب بھی بالکل صاف اور محقق ہے۔ اس بات کے خلاف کوئی شہادت موجود نہیں کہ ۱۹۰۷ء میں جس ٹرسٹ کو باقاعدہ حساب کتاب رکھنے اور قواعد کی پابندی کرنے پر مجبور کیا گیا، وہ مسجد کا اصلی اور مقررہ ٹرسٹ نہ تھا، اور اسکو باطل کر کے کوئی نیا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ **میمن جماعت** کی چارہ جوئی

ہیں۔ یہ شرط بھی اصل شرائط پر اضافہ ہے اور صریح اسکے خلاف ہے۔ تولیت نامہ میں کوئی تخصیص قومیت و جماعت کی نہیں کی گئی ہے۔ نہ نصباً نہ اثباتاً۔ سب سے پہلے جن متولیوں کو واقف نے تسلیم کیا ہے ان میں تین میمن اور دو غیر میمن مسلمان تھے۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ مسجد کی تولیت میں میمن جماعت کی خصوصیت نہ تھی۔ واقف کا مقصود یہ تھا کہ اہل اور معتمد مسلمانوں کے ہاتھ میں تولیت رہے۔ خواہ وہ میمن ہوں یا غیر میمن۔ پس یہ شرط بھی شرعاً تسلیم نہیں کیجا سکتی اور کالعدم تصور کیجائے گی۔

دعویٰ نمبر۲ اور میمن جماعت کا حق تولیت

بلا شبہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ٹرسٹ کے سب سے پہلے تقرر کے بعد مسجد کے تمام کاموں کا انصرام زیادہ تر میمن جماعت کی سعی و تدبیر اور روپیہ سے ہوا۔ اسلئے قدرتی طور پر انہی کے ہاتھ میں تمام انتظامات رہے۔ لیکن تولیت کے شرائط و قواعد میں کسی اضافہ کا اب حق نہیں ہے اور گذشتہ حالات سے یہ لازم نہیں آتا کہ قانوناً اسکی تولیت کسی ایک جماعت ہی کے لئے خاص کردی جائے۔

رہا یہ سوال کہ کیا موجودہ متولیوں کو اس بات کے لئے شرعاً مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ وجوباً غیر میمن مسلمان کو ضرور متولی بنائیں؟ اور کیا آیندہ کے لئے بطور ایک شرط کے اسکو قرار دیا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصلی تولیت نامہ میں کوئی شرط نہ تخصیص و حد کی ہے نہ وجوباً و التزاماً اطلاق و تعمیم کی۔ اسلئے اس بارے میں قانون تولیت اپنی اصلی عام اور غیر مشروط حالت پر باقی رہیگا۔ واقف کا مقصود معتمد اور دیانت دار مسلمانوں کا انتخاب ہے جو موقوفات کی ٹھیک ٹھیک خدمت و نگرانی انجام دیں۔ جب تک یہ مقصد حاصل ہو رہا ہے ٹرسٹ کا اصلی مقصود حاصل ہے اور اس کو شرعاً تسلیم کیا جائے گا۔ شمس العلماء نے آیندہ

میمن جماعت نے غلطی سے دونوں کو ایک ہی چیز سمجھ لیا جیسا کہ اِن کے عرضی دعویٰ بنام نور محمد سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن حاجی نور محمد نے جب شمس النساء بیگم کا تولیت نامہ پیش کیا اور مسجد کے ابتدائی حالات روشنی میں آئے تو میمن جماعت نے مناسب سمجھا کہ آیندہ باقاعدہ طور پر مسجد ٹرسٹ ہی کو جماعت ٹرسٹ بھی حوالہ کر دیا جائے اور عملاً جو انتظامی ترتیب ابتدا سے چلی آئی ہے۔ اسمیں تبدیلی ہو۔

راضی نامہ ۱۹۰۱ء کی بعض ناجائز شرائط۔

البتہ جو شرطیں اِس موقع پر قرار دی گئی ہیں۔ اِنمیں تین شرطیں ایسی ہیں جو شمس النساء بیگم کے تولیت نامہ میں نہیں ہیں اسلئے وہ قابل تسلیم نہیں ہیں، اور گو کتنا ہی عرصہ اِنکے عمل درآمد پر گذر چکا ہو لیکن وہ کالعدم تصور ہوں گی۔

پہلی شرط یہ بڑھائی گئی ہے کہ ٹرسٹ میں ہمیشہ ایک متولی حاجی ذکریا کے خاندان کا رکھا جائے گا۔ حالانکہ اصلی شرائط وقف میں اِس خاندان کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا ہے، اور نہ کسی خاص متولی کو نسلاً بعد نسلٍ متولی قرار دیا گیا ہے۔ پس یہ شرط ناقابل قبول ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ آیندہ سے جب کسی متولی کی جگہ خالی ہوگی تو میمن جماعت کی کثرت رائے سے اِسکے لئے نیا انتخاب عمل میں آئے گا۔ یہ شرط بھی نئی بڑھائی گئی ہے اور اصل شرائط وقف کے خلاف ہے شمس النساء بیگم کی تولیت نامہ میں حق انتخاب خود متولیوں کو دیا گیا ہے میمن جماعت کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ اِس جماعت کو کوئی خاص حق انتخاب اور رائے دہی کا دیا گیا ہے، پس شرعاً یہ شرط بھی ناقابل تسلیم ہے۔

تیسری نئی شرط یہ بڑھائی گئی ہے کہ ہمیشہ مسجد ٹرسٹ کے ارکان صرف میمن جماعت ہی میں سے منتخب ہوں گے یعنی صرف میمن ہی اِسکے متولی ہو سکتے

بدلی نہیں جا سکتیں۔

دعویٰ نمبر ۳

(۳) مدعیوں نے موجودہ ٹرسٹ کو خلافِ شرع و قانون تصرفات کا الزام دیا ہے۔ اور مثال میں چند اُمور پیش کیے ہیں:۔

(الف) پہلا الزام یہ ہے کہ اُنھوں نے مسجد کی جائداد کو میمن خیرات ٹرسٹ کے نام سے الگ کر دیا۔ چونکہ یہ الزام نہایت اہم تھا، اِسلئے میں نے دورانِ مقدمہ میں سب سے زیادہ وقت اِسکی تحقیق میں صرف کیا، اور مدعیوں کو بار بار مہلت دی کہ اِس دعوے کے اثبات میں دلائل پیش کریں۔ لیکن باوجود متعدد مجالس کے آخر تک کوئی ثبوت ایسا پیش نہیں کیا گیا جس سے شرعاً دعوے کا اثبات ہو سکے۔ صرف ایک استفتا پیش کیا گیا جو ایک جدید متولی کی جانب سے لکھنؤ بھیجا گیا تھا، لیکن شرعاً اِسکا وجود شہادت کا حکم نہیں رکھتا اور مفید دعوی نہیں۔

جائداد غیر منقولہ میمن ٹرسٹ

میمن خیرات ٹرسٹ کی موجودہ جائداد چار مکانوں کی صورت میں موجود ہے جنکو مختلف زمانوں میں حاجی ذکریا اور دیگر میمن معتمدین کے نام سے خریدا گیا ہے۔ اِن چاروں مکانوں کے قبالوں کی نقل کاغذات مقدمہ میں شامل ہے۔ اِن میں صریح طور پر درج ہے کہ یہ جائداد مسلمان میمن خیرات فنڈ کے لئے خریدی جاتی ہے۔ اشارۃً بھی کہیں یہ نہیں پایا جاتا کہ اِن کو مسجد سے کوئی تعلق ہے یا مسجد کے لئے خرید کی گئی ہیں۔ یہ ایک ایسی قطعی، قانونی، تحریری، اور محکم شہادت مدعیوں کے خلاف موجود ہے کہ کسی حال میں اِسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور جب تک وہ کوئی ایسا ہی وزنی اور یقینی ثبوت اِسکے برخلاف پیش نہ کر دیں، قانون و شرع کا فیصلہ اِن کے خلاف ہوگا۔

متولیوں کے انتخاب کا حق خود متولیوں کو دیا تھا یعنی جو جگہ خالی ہو، اور اُسکی جگہ نئے متولی تو بقیہ متولی کثرت رائے سے چن لیں۔ اسکے مطابق یکے بعد دیگرے انتخاب ہوتا رہا اور ابتک ٹرسٹ قائم موجود ہے۔ اصلی شرایط میں اگر یہ بات نہ تھی کہ غیر میمن مسلمان متولی نہ ہو تو یہ بات بھی نہ تھی کہ ہمیشہ ایک، یا دو، یا سب غیر میمن مسلمان ضرور ہی متولی رہیں۔ پس جو ٹرسٹ موجود ہے شرعاً اسکو بدل ڈالنے یا اسپر اضافہ کرنے، یا کسی شرط سے مشروط کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی اور نہ ان کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ کہ غیر میمن مسلمانوں کو ضرور ہی متولی بنائیں۔

ساتھ ہی اتنی بات مزید انکے لئے استحقاق کی بھی ضرور ثابت ہوتی ہے کہ ابتداء سے مسجد کی تعمیر آبادی، اور تمام خدمات اسی جماعت کے اشخاص انجام دیتے آئے ہیں، اور ان کی کوئی ایسی بے عنوانی یا خیانت ثابت نہیں جو شرعاً مستوجب معزولی ہو۔ کامل نصف صدی کا تعامل بلاشبہ اُن کے حق میں ہے، اسلئے تمام مسلمانوں میں اُنکی جماعت سب سے پہلا حق تولیت کا رکھتی ہے، اور جب تک وہ امانت داری کے ساتھ مسجد کی خدمت انجام دیتے رہینگے، اولیت انھیں حاصل رہے گی۔ البتہ یہ حق استحقاقاً ہے نہ کہ وجوباً و قانوناً۔

(۲) مدعیوں کے دوسرے دعویٰ کی تحقیق مندرجہ بالا سطور میں ہوگئی یعنی میمن جماعت میں تولیت کو قانوناً محدود کر دینا اصلی شرائط کے خلاف ہے اور قابل تسلیم نہیں۔ البتہ اُن کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ متولیوں کا انتخاب عام مسلمانوں کی رائے سے ہونا چاہئے کیونکہ شمس النساء بیگم کے تولیت نامہ میں خود متولیوں کو نئے متولی کے انتخاب کا حق دیا گیا ہے۔ عام مسلمانوں کے انتخاب کا وہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور اب اسکی شرائط

کیا جا سکتا۔ پس جب کہ اسکا مقصد تین مختلف کاموں میں مشتبہ تھا اور کوئی ایک مقصد واضح و معین نہ تھا، تو کیونکر شرعاً اسکو مسجد کے لئے وقف یا ہبہ تسلیم کر لیا جائے؟

علاوہ بریں اس تحریر میں صرف ابتدا کا حال ظنی و تخمینی لہجہ میں بیان کیا گیا ہے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ "بتی" کی آمدنی ہمیشہ کے لئے صرف ایک ہی کارِ خیر یعنی مسجد کے لئے دی گئی تھی۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایک سال یا دو سال یا کسی خاص مدت تک مسجد کے لئے "بتی" لی گئی، تو پھر بھی اسکا ثبوت باقی رہجاتا ہے۔ کہ ہمیشہ یہ آمدنی مسجد ہی کے لئے قرار پا گئی تھی۔

بتی اور اس کا شرعی حکم

"بتی" دراصل ایک دوامی رقم ہے۔ جو کاروبار کی آمدنی اور خرید و فروخت سے تاجر وضع کرتے ہیں۔ اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ خیراتی کاموں کے لئے لوگوں سے بار بار چندہ طلب نہ کرنا پڑے۔ ایک دوامی فنڈ ہمیشہ جماعت کے ہاتھ میں رہے۔ میمنوں کے علاوہ ہندو مسلمانوں کی جسقدر کاروباری جماعتیں ہیں، سب کے یہاں یہ طریق رائج ہے اور کوئی نہ کوئی دوامی رقم خیراتی کاموں کے لئے جمع کیجاتی ہے۔ یہ بات کہ از روئے شرع اس آمدنی کے مصارف کی تعیین کا کیا حکم ہے؟۔

اس بات پر موقوف ہے کہ "بتی" کے عام عُرف و رسم کو دیکھا جائے اور اسکے مطابق حکم لگایا جائے۔ جسقدر تحقیقات اس بارے میں کی گئی، معلوم ہوا کہ ہمیشہ اسکا کسی ایک ہی معین خیراتی کام کے لئے ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر شخص ایک ہی غیر تغیر پذیر مقصد کے لئے دیتا ہو ممکن ہے کہ ایک زمانہ میں مسجد کی تعمیر کی ضرورت ہو، اسلئے مسجد کے لئے اسکی آمدنی خرچ کی گئی۔ اور مسجد ہی کے لئے لی گئی۔ اسکے بعد کوئی دوسرا خیراتی

مدعیوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ تمام جائداد زیادہ تر "بتی" کی آمدنی سے خریدی گئی ہے جو مسجد کے لئے وصول کی جاتی تھی، اسلئے مسجد کی جائداد تسلیم کی جائے گی۔

لیکن اوّل تو اس بات کے لئے کوئی ثبوت پیش کرنا چاہئے اور کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ حاجی عبداللہ مرحوم کی ایک تحریر پیش کی گئی ہے جو استفتا کے ساتھ لکھنؤ بھیجی گئی تھی۔ لیکن وہ شرعًا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ازروئے قانون قضاء شرعی اس تحریر کا کاتب موجود نہیں جو اپنے دستخط کی تصدیق کرے اور کوئی دوسری تصدیق پیش نہیں کی گئی۔ علاوہ بریں خود اس تحریر کے بعض بیانات صریح غلط ہیں جو اسکے خلاف اندرونی شہادت دے رہے ہیں مثلاً اسمیں لکھا ہے کہ شمس النساء بیگم نے پانچ آدمیوں کو نسلاً بعد نسلٍ متولی قرار دیا۔ حالانکہ یہ واقعہ اسکے خلاف ہے۔ اسمیں نسل و خاندان کو ہرگز بنائے تولیت تسلیم نہیں کیا ہے۔

ثانیًا اگر اس تحریر کو لائق احتجاج مان بھی لیا جائے جب بھی اسکی شہادت اثبات کے لئے مفید نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ نہیں لکھا ہے کہ "بتی" کی آمدنی صرف مسجد کے لئے بالاتفاق جماعت نے قرار دی تھی اور ہر شخص جو یہ رقم خازن کے حوالے کرتا تھا تو اس علم و یقین کے ساتھ حوالے کرتا تھا کہ یہ صرف مسجد ہی کے لئے ہے برخلاف اسکے اسمیں لکھا ہے کہ بتی کی آمدنی مختلف ناموں سے پکاری جاتی تھی کچھ لوگ خیرات فنڈ کہتے تھے بعض لوگوں میں میمن خیرات فنڈ کے نام سے شہرت تھی، اور کچھ لوگ مسجد فنڈ بھی کہتے تھے۔

"بتی" کو خواہ شبہ وقف قرار دیا جائے، خواہ ہبہ ہر حال میں اسکو صریح، واضح اور معین ہونا چاہئے۔ جب تک ایسا نہو، شرعًا استدلال نہیں

کئے گئے، تو معلوم ہوگیا کہ اِن مکانات کی آمدنی مسجد کے لئے خرچ کیگئی ہے لیکن یہ مسجد کے لئے موقوف نہیں ہیں۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ مسجد کی ابتدائی تاریخ ابتدا سے کچھ اس طرح پیچیدہ رہے ہیں، نیز اسقدر کا مدت گذر چکی ہے کہ بجز دو تین پُرانے عہد کے لوگوں نے بہت کم لوگوں کو صحیح حالات کا علم تھا۔ موجودہ ٹرسٹ میں بجز ایک شخص کے تمام قریبی انتخاب کے جوان عمر متولی ہیں، اور اُن کو ذاتی طور پر کوئی علم مسجد کے قدیمی حالات کا نہیں ہوسکتا۔ خود میمن جماعت میں بھی ایک پوری نسل کا تغیر ہو چکا ہے۔ اور ۱۸۵۶ء کے زمانہ کے حالات جاننے والا ایک شخص بھی موجود نہیں۔ علاوہ بریں ابتداء سے حاجی ذکریا مرحوم کا بیک وقت مسجد اور میمن جماعت" دونوں کا سربراہ رہنا، اور ۱۹۰۷ء تک ایک ہی شخص کا نمایاں طور پر دونوں کا انجام دیتا، ایسے واقعات ہیں کہ انکی وجہ سے اصلیت کا مشتبہ ہوجانا اور دونوں کاموں کے امتیازات کا مجہول ہوجانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ ۱۹۰۸ء میں جب میمن جماعت نے حاجی نور محمد پر نالش کی ہے تو خود اِن لوگوں کو بھی اصلی حالات کا علم نہ تھا۔ اور شمس النساء بیگم کے تولیت نامہ سے تو بالکل ہی ناواقف تھے۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ خود حاجی ذکریا نے میمن جماعت کی اعانت سے زمین خرید کی، اور مسجد بنائی۔ البتہ حاجی نور محمد کو اِس وقف نامہ کا حال معلوم تھا۔ اور جب جواب دعوی میں اُسنے اپنے بچاؤ کے لئے اِس کا ذکر کیا تو لوگوں کو پہلی مرتبہ حالات معلوم ہوئے:

قطع نظر اِسکے، اگر متولی مذکور مدعیوں کے دعوے کی تائید بھی کرتا جب بھی اِس تائید کچھ مفید نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ کوئی علم و شہادت اِس کے

مصرف پیش آگیا اور اسکے لئے لی گئی پس جب تک مسجد ہی کے لئے صریح و دائمی طور پر اسکا معین ہونا ثابت نہ کر دیا جائے، مدعیوں کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

واقعات پر نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "بتی" کی آمدنی بلا کسی تخصیص کے خیراتی کاموں کے لئے قرار دی گئی تھی۔ خیراتی کاموں میں ایک عمدہ کام مسجد اور قبرستان کا بھی ہے۔ پس ابتدا میں مسجد کے لئے اسکی آمدنی خرچ کی گئی اور غالباً قبرستان میں بھی لگائی گئی۔ لیکن جب مسجد کو اسکی احتیاج باقی نہ رہی تو دیگر خیراتی کاموں کے لئے خرچ ہونے لگی۔ آئندہ بھی اگر مسجد کو ضرورت ہو تو بلا شبہ اسکی آمدنی کا بہترین اور اولین مصرف وہی ہوگی۔ کیونکہ بتی کار خیر کے لئے ہے۔ اور مسجد سے بڑھ کر کوئی کار خیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مسجد کے لئے مثل موقوف و مشروط جائداد کے ہو جائے اور دوسرے کاموں میں خرچ نہ کی جا سکے۔

مدعیوں نے ایک جدید متولی کا استفتا پیش کیا ہے جو لکھنؤ جواب کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اسمیں سوال کیا گیا ہے کہ اگر مسجد کی جائداد کی آمدنی اس کی ضروریات سے زیادہ ہو جائے تو دیگر کار خیر میں خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس استفتا سے مدعی استدلال کرتے ہیں کہ متولی نے مابہ النزاع جائداد کو مسجد کی جائداد تسلیم کر لیا ہے۔

جب یہ استفتا متولی مذکور کو دکھلایا گیا تو اُسنے تسلیم کیا کہ واقعی استفتا بھیجا گیا تھا لیکن یہ اُسوقت کا واقعہ ہے جب مقدمہ مسجد کیوجہ سے مسجد کے حالات روشنی میں نہیں آئے تھے۔ اور ناواقفیت سے خود متولی مذکور ایسا خیال کرتا تھا کہ یہ مکانات مسجد ہی کے ہونگے۔ لیکن جب تمام کاغذات حاصل

وہ میمن جماعت کے لئے باعتبار محل خرچ کے مخصوص تسلیم نہیں کیجائے گی۔

قبرستان (ب) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قبرستان کو بھی میمنوں کے لئے مخصوص کردیا ہے۔ حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا۔ وہ تمام مسلمانانِ شہر کیلئے تھے ثبوت میں انہوں نے قبرستان کی زمین کا بیع نامہ پیش کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ یہ زمین مسلمان اموات کی تدفین کے لئے خرید کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے اس بات کو واضح ہوجانا چاہیئے کہ شرعًا کوئی قبرستان کسی خاص جماعت کے لئے مخصوص ہوسکتا ہے یا نہیں؟ سو واضح ہو کہ ہوسکتا ہے۔ نہ صرف جماعت کے لئے بلکہ ہر خاندان اور ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی تدفین کیلئے کوئی جگہ حاصل کرے۔ اور اس کو اپنے یا اپنے خاندان یا اپنی جماعت کے لئے مخصوص کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص کسی میت کو وہاں دفن کرنا چاہیئے تو ضروری ہوگا کہ اول الذکر سے اس کی اجازت حاصل کرے۔

ایسی حالت میں اگر میمن جماعت نے صرف اپنی جماعت کے لئے کسی قبرستان کو خرید کر مخصوص کردیا تو شرعًا قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔

علی الخصوص موجودہ زمانہ میں جبکہ بڑے بڑے شہر آباد ہوگئے ہیں، زمین کی قلت ہے، اور تدفین قبور کے لئے نہایت سخت قوانین نافذ ہوگئے ہیں شہر کے قرب وجوار میں قبرستان کے لئے زمین کا ملنا روز بروز دشوار ہوتا جاتا ہے۔ اگر ان دقتوں کو دیکھ کر کسی جماعت نے اپنے لوگوں کی آسانی کے لئے کوئی زمین مخصوص کردی، تو کیوں اعتراض کیا جائے؟ میمن جماعت نے اپنی برادری کی آسانی کے لئے ہندوستان کے متعدد شہروں میں ایسے انتظامات کئے ہیں۔ رنگون، بمبئی، مدراس، بنگلور وغیرہ میں ان کے قبرستان الگ اور ممتاز موجود ہیں۔

ساتھ نہیں ہے۔ اور جائداد کے قبالے قطعی طور پر میمن خیرات فنڈ کا اثبات کرتے ہیں۔ اس قانونی اور قطعی شہادت کی موجودگی میں کسی متولی کا مجرد بیان شرعًا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

میمن خیرات سے مقصود کیا ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ "مسلمان میمن خیرات فنڈ" سے مقصود کیا ہے؟ یہ مقصود ہے کہ یہ خیرات مسلمان میمن جماعت کے روپیہ سے ہے؟ یا یہ مقصود ہے کہ اس خیرات کا محل خرچ صرف میمن جماعت کی خیراتی ضروریات ہیں؟۔

مدعا علیہم کا اظہار یہ ہے کہ خیرات فنڈ صرف میمن جماعت کی ضروریات کے لئے ہے۔ یعنی از روئے وقف صرف میمن جماعت کی خیراتی ضروریات ہی میں اسکی آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے لیکن میں ایسا قرار دینے کے لئے کوئی ثبوت نہیں پاتا۔ بلا شبہ یہ جائداد میمن خیرات فنڈ کی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ خیرات کے لئے میمن جماعت جو روپیہ نکالتی ہے، اُسی سے یہ جائداد خریدی گئی ہے۔ یہ مقصد کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ صرف میمن جماعت ہی پر خرچ کرنے کے لئے یہ جائداد وقف کی گئی ہے۔ مدعا علیہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس جائداد کی آمدنی مسجد کے لئے خرچ کی گئی تھی اور اگر آئندہ بھی مسجد کو ضرورت ہو تو خرچ کی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسجد کوئی ایسا خیراتی کام ہے جو صرف میمن جماعت کے لئے ہے یا تمام مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے؟ اگر تمام مسلمانوں کے لئے ہے تو ظاہر ہے کہ اسی طرح کے دیگر عام خیراتی کاموں میں بھی اسکو خرچ کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال یہ جائداد میمن جماعت کیجانب سے خیراتی کاموں کے لئے ہے۔ اور ہر طرح کے اسلامی کارہائے خیر میں خرچ کیجاسکتی ہے میمن جماعت کی خصوصیت شرائط وقف میں ثابت نہیں ہے، اور جب تک ثابت نہ کیجائے

سنہ ۱۹۰۳ یا سنہ ۱۹۰۴ء کا واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب حاجی مصلح الدین نامی ایک شخص کے لڑکے ظہیرالدین کے لئے خود میرے سامنے اجازت منگوالی گئی۔ اور والد مرحوم کی سفارش کی وجہ سے اجازت ملگئی۔

قبرستان کی نسبت موجودہ متولیوں پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ اُنہوں نے اسکی زمین پر دُکانیں تعمیر کرکے تصرّف بیجا کیا۔ لیکن جب میں نے جاکر اس موقعہ کا معائینہ کیا تو کوئی بات قابلِ اعتراض نظر نہیں آئی۔ قبرستان کا جو آخری حصہ سڑک کی دیوار سے متصل ہے، وہ ابتداء سے خالی چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ کچھ حصہ قبرستان میں خالی مثل باغ کے باقی رہے۔ پہلے یہاں سڑک کے رخ پر صرف احاطہ کی دیوار تھی۔ اب ہاں چند دکانیں تعمیر کردی گئی ہیں، تاکہ انکی آمدنی سے قبرستان اور اس کی مسجد کو مزید ترقی دیجا سکے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ بات کیوں قابلِ اعتراض قرار دی گئی۔ اور شرعًا اس میں کیا حرج واقع ہوا؟ البتہ اگر ان دکانوں کی تعمیر قبرستان کے علاوہ کسی دوسرے کام کے لئے ہوتی، یا قبرستان سے اتنا حصہ الگ کرلیا جاتا، تو ضرور محلِ اعتراض تھا۔ یہ دکانیں قبرستان ہی کی جائداد ہیں، اور ان کی آمدنی بجز قبرستان کے اور کسی کام میں خرچ نہیں کیجا سکتی۔

متولی اور مصلیان مسجد۔

(ج) مدعیوں نے متولیوں کی نسبت یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ وہ مسجد کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں اور مصلیوں کے مشوروں کی کچھ پروا نہیں کرتے چنانچہ باوجود مصلیوں کے مخالفت کے اُنہوں نے صحن مسجد کے جنوبی حصہ کو کم کرکے نئی دُکانیں تعمیر کرنی چاہیں۔ اور کارپوریشن کلکتہ سے ناجایز طور پر اجازت حاصل کرلی۔

سب سے پہلے میں یہ بات ظاہر کردینی چاہتا ہوں کہ مسجد کا اگر کوئی متولی مسجد کو اپنی ذاتی جائداد و ملکیت سمجھتا ہو، یا مسجد کے بارے میں اپنی خود مختاری [illegible]

یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ ایسا انتظام قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ دوسرے آدمیوں کے لئے وہاں روک نہ ہو۔ اس روک پر شرعاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا

رہی یہ بات کہ قبالے میں زمین خرید کرنے کا جو مقصد ظاہر کیا گیا ہے، اُس میں میمن جماعت کی تخصیص نہیں ہے، تو یہ بات ثبوت دعویٰ کا کام نہیں دے سکتی جبکہ زمین کا جماعت کی جانب سے خریدا جانا اور ابتدا سے جماعت کی اموات کے لئے خاص ہونا معلوم و ثابت ہے۔ میمن جماعت مسلمان ہے، اور بیع نامہ میں بہرصورت یہی لکھا جا سکتا تھا کہ زمین کسی اور غرض سے نہیں لی جا رہی ہے۔ مسلمانِ اموات کی تدفین کے لئے خریدی گئی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام مسلمان باشندگانِ کلکتہ کی اموات وہاں وجوباً دفن کی جائیں۔

مدعیوں کا بیان ہے کہ میمن جماعت کے لئے قبرستان کو موجودہ ٹرسٹ نے مخصوص کر دیا ہے۔ لیکن یہ بیان بھی صریح واقعات کے خلاف ہے۔ قبرستان میں جو لوگ دفن کئے گئے ہیں، اُنکی قبروں کا بڑا حصہ اس وقت تک موجود ہے، اور انکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے زیادہ تر میمن جماعت ہی کی اموات دفن ہوتی آئی ہیں۔ غیر میمن مسلمانوں میں سے صرف انہی لوگوں کی قبریں نظر آتی ہیں جنکے اس جماعت سے خاص تعلقات تھے اور اسلئے خاص طور پر یہاں دفن کئے گئے۔

مدعیوں نے کوئی ثبوت اس بات کا پیش نہیں کیا کہ موجودہ ٹرسٹ سے پہلے یہ قبرستان میمن جماعت کے لئے مخصوص نہ تھا، اور غیر میمن مسلمان اموات کی تدفین کے لئے خاص طور پر اجازت نہیں لیجاتی تھی۔ برخلاف اسکے اگر میں اپنے ذاتی علم کو بطور شہادت کے استعمال کروں، تو پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ۱۹۰۰ء سے بہت پہلے بھی بعینہ اس قبرستان کے استعمال کی یہی حالت تھی جو آجکل ہے، اور کوئی غیر میمن مسلمان میت بغیر اجازت کے دفن نہیں ہو سکتی تھی

اُس کے نیچے پست چھتوں کی دُکانیں بنائی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ مغربی رُخ پر ابتداء سے دکانیں موجود ہیں۔ جنوبی جانب دُکانیں نہ تھیں تہ خانہ کی طرح خالی جگہ چھوڑ کر باہر کیجانب سلاخیں لگا دی تھیں۔ جب اُس جانب نئی سڑک نکلنے لگی تو متولیوں نے چاہا کہ سامنے کی طرح وہاں بھی دُکانیں بنا دی جائیں، تاکہ مسجد کے لئے مزید آمدنی کا سامان ہو جائے لیکن چونکہ یہ نچلا حصہ کافی بلند نہ تھا اور دُکانوں کے دروازے قدآدم کی پوری بلندی کے بھی نہیں بن سکتے تھے، اس لئے اُنہوں نے تجویز کیا کہ صحن مسجد کے کنارے کا کچھ حصہ بلند کر کے دُکانوں کے دروازے اونچے کر دئیے جائیں۔ مدعیوں کا بیان ہے کہ ابتدا میں متولیوں نے بہت زیادہ بلند کرنا چاہا تھا۔ لیکن متولی کہتے ہیں کہ دو تین فٹ سے زیادہ بلندی مطلوب نہ تھی۔ متولیوں نے نقشہ پیش کر کے کارپوریشن سے منظوری حاصل کر لی۔ لیکن لوگ مانع ہوئے، اور بالآخر صحن مسجد کو بدستور چھوڑ دیا گیا۔ اور دکانیں ویسی ہی رکھی گئیں جیسی پیشتر تھیں۔

یہی نزاع دراصل مقدمہ کی بنیاد ہے۔ تمام حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات سے زیادہ فریقین کے طرزِ عمل اور باہم غلط فہمیوں نے معاملہ کو پیچیدہ اور نزاع انگیز بنا دیا۔ متولیوں کو چاہئے تھا کہ جب وہ مسجد میں کسی قسم کی تعمیری تبدیلی کر رہے تھے تو مصلیوں سے بھی مشورہ کر لیتے، اور باہم اعتماد و اتحاد کے ساتھ اپنی تجاویز عمل میں لاتے۔ مصلیوں کو چاہئے تھا کہ وہ ضد اور مخالفت کی جگہ نرمی و آشتی کے ساتھ متولیوں سے گفتگو کرتے اور عدالت میں جانے سے پہلے سازگاری و صلح کوشی کے ساتھ اپنے اعتراضات پیش کرتے۔ افسوس ہے کہ دونوں جانب سے غلط طریقہ اختیار کیا گیا۔ اور بالآخر دونوں فریق میدان میں اُتر آئے۔

اور مطلق العنانی ظاہر کرتا جیسی اپنی ملکیت کے لئے کوئی خود رائے اور مستبد شخص کر سکتا ہے یا کوئی بات ایسی کرتا ہو جس سے ایسا تصرف و اعتقاد ثابت ہوتا ہو کہ وہ شخص اپنے آپ کو شریعت اور قانون کے سامنے کوئی جائز نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا شخص ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا اہل نہیں کہ خدا کی عبادت گاہ کا امین تسلیم کر لیا جائے۔ مسجد اللہ کی عبادت گاہ ہے اور جب کوئی عمارت اس غرض سے وقف کر دی گئی تو وہ یکساں طور پر تمام مسلمانوں کی عبادت گاہ ہو گئی۔ نہ کوئی انسان اس کا مالک ہو سکتا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ اس کو صرف اپنی ملکیت سمجھے۔ متولی صرف اسکے منتظم اور خدمت گذار ہیں اور اس لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ تمام مسلمانوں کی جانب سے اسکی خدمت انجام دیں۔ مسلمانوں کو یقیناً حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کے کاموں کی نسبت باز پرس کریں اور ان کا فرض ہے کہ وہ سنیں اور جواب دیں۔ اسلام کا نظام عمل جب اس درجہ آزادانہ اور مساویانہ ہے کہ ہر ادنیٰ مسلمان خلیفۂ وقت کو ٹوک سکتا ہے اور باز پرس کر سکتا ہے تو پھر اور کسی صاحب منصب کی کیا ہستی ہے جو بالکل غیر مسئول سمجھی جائے؟ البتہ جماعت کو بھی چاہئے کہ متولیوں کی حیثیت اور منصب سے انکار نہ کریں اور ان کے انتظامی حقوق کی بے وقعتی نہ ہونے دیں۔ کیونکہ کوئی ذمہ دار جماعت اپنے کاموں کو انجام نہیں دے سکتی اگر اسکے منصب کی عزت اور حکومت قائم نہ رہے۔

لیکن مدعا علیہم نے بار بار اپنے طرز عمل سے اپنی ہٹ ظاہر کی ہے اور مدعیوں کی جانب سے جو شکایات اس بارے میں پیش کی گئی ہیں اس سے ان کا ایسا خیال کرنا ثابت نہیں ہوتا۔

واقعہ یہ ہے کہ مسجد کی کرسی سطح زمین سے اتنی بلندی پر واقع ہوئی ہے کہ

اعتراض سمجھنے کی جگہ متولیوں کی ایک عمدہ خدمت مشروع قرار دیتا۔ مسجد اللہ کے ذکر و عبادت کی جگہ ہے۔ شیرینی اور خیرات بانٹنے کا بازار نہیں ہے۔ اس قسم کی جسقدر رسوم اختیار کرلی گئی ہیں، یا خاص خاص محافل منعقد کیجاتی ہیں وہ سب شرعًا بے اصل ہیں، اور علی الخصوص مسجد میں شیرینی وغیرہ کی تقسیم سے جو شور ہنگامہ اور لوٹ مار کی سی شورش برپا کی جاتی ہے، وہ تو قطعاً آدابِ مسجد و احترام عبادت کے خلاف ہے، اور شرعًا اس کو روکنا واجب اور نہی عن المنکر میں داخل ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی روکدیا کہ مسجد میں کھوئی ہوئی چیز بآواز بلند تلاش کی جائے۔ نیز سائل کو بھی روکا کہ مسجد کے اندر سوال کرکے لوگوں کی عبادت میں مخل نہ ہو۔ جب اس درجہ سکوت و وقار کے احکام وارد ہیں تو مساجد میں مٹھائی بانٹنا اور اس کے لوٹنے کے لئے بدتمیز اور گداگر لوگوں کا شور و ہنگامہ مچانا کب جائز ہو سکتا ہے! عرصہ ہوا بعض میمن اور سورتی تاجروں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ رمضان المبارک میں اپنے مکان سے افطار کے لئے خوان طیار کراکے لیجاتے تھے اور مسجد میں بیٹھ کر افطار کرتے تھے۔ افطار کے بعد بقیہ اشیاء فقراء میں تقسیم کر دیجاتی تھیں مجھے یاد ہے کہ اس لغو اور ریاکارانہ طریقہ کی وجہ سے عین مغرب کی نماز کے وقت مسجد میں وہ شور ہنگامہ بپا ہوتا تھا اور ایسی لوٹ مچتی تھی کہ لوگوں کے لئے نماز پڑھنا دشوار ہو جاتا تھا۔ بہرحال مسجد عبادت کے لئے ہے۔ مٹھائی بانٹنے کے لئے نہیں ہے۔ اگر متولیوں نے کسی ایسی ہی رسم کو بند کر دیا ہے، تو یہ محل شکوہ نہیں ہے، بلکہ اسکے لئے وہ یقینًا عند الشرع مستحق تحسین و آفریں ہیں

امام مسجد کی برخاستگی۔ (۹) مدعیوں نے امام مسجد کی برخاستگی پر بھی اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ یہ مصلیوں کے خواہش کے خلاف ہے۔

بہرحال اصلیت خواہ کچھ ہو، لیکن متولیوں نے صحنِ مسجد میں کوئی تغیر نہیں کیا ہے اور اُن کا بیان ہے کہ جب تک شرعی حیثیت سے اجازت نہ مِلجائے وہ کوئی مزید تغیر نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے مسجد کے اُس رُخ کا کئی بار معائینہ کیا۔ اور اُس کے نیچے کی دُکانیں بھی دیکھیں۔ میرے خیال میں اگر صحنِ مسجد کا کنارہ دو فٹ بلند کردیا جائے اور اس کا عرض بھی اسقدر رہو کہ ایک یا دو نمازی اس پر کھڑے ہوسکیں، تو اس سے نہ تو صحن کی ہوا اور روشنی پر اثر پڑ سکتا ہے، اور نہ نماز کی جگہہ کم ہوتی ہے۔ ساتھ ہی مسجد کی آمدنی دُکانوں کی بلندی وجہ سے چار پانچ سو روپیہ ماہوار تک بڑھ جاتی ہے۔ میں متولیوں کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ ایسی تبدیلی کرسکتے ہیں، اور اس میں شرعًا کوئی حرج متصور نہیں۔

(د) ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ مسجد کے لئے جانماز اور قالین مُہیا نہیں کرتے۔ لیکن مدعیوں کی جانب سے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ مسجد کی حالت اس صریح الزام کی تغلیط کررہی ہے۔

مسجد میں شیرینی وخیرات کی تقسیم

(ھ) مدعیوں کا بیان ہے کہ متولیوں نے مسجد میں شیرینی تقسیم کرنا اور خیرات بانٹنا بند کردیا ہے مدعیوں سے جب اس کا ثبوت طلب کیا گیا کہ پہلے شیرینی وغیرہ تقسیم کیجاتی تھی، تو وہ کوئی شہادت پیش نہیں کرسکے۔ ایک مدعی مولوی نجم الدین احمد صاحب نے خود اپنی نسبت بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ حاجی ذکریا مرحوم کے یہاں مولود کی مجلس میں شریک ہوئے تھے۔ لیکن اس طرح کی مجلسیں صدہا آدمی اپنے گھروں میں کرتے ہیں۔ اِس سے مسجد کی تقسیم خیرات وغیرہ کو کیا تعلق؟

بہرحال اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ متولیوں نے تقسیم شیرینی وغیرہ کے کسی سابق طریقہ کو بند کردیا ہو۔ لیکن اگر ایسا ثابت کر بھی دیا جاتا تو میں قابل

نہیں ہو سکتا۔

رہی یہ بات کہ امام کے نصب و عزل کا شرعًا اختیار کس کو ہے؟ اور مصلیوں کی رائے اور انتخاب کو اس میں کہاں تک دخل ہے؟ تو اس بارے میں جو احکامِ شرعیہ ہیں اُن کو مختصرًا بیان کر دیتا ہوں۔

امامت مساجد اور نظام شرع

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ امام مسجد کی جو صورت و حالت شرعی نظام کی رو سے ہونی چاہیئے بدقسمتی سے اب باقی نہیں رہی ہے، اور کتب شرع میں امام مسجد سے مقصود جس حیثیت و منصب کا شخص ہوتا ہے، اُس سے آجکل کے اجیر اور تنخواہ دار امام بالکل مختلف حالت رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی ائمۂ مساجد کے تقرر و انتخاب کے لئے جو شرعی نظم و نسق تھا، وہ بھی بوجہ اسلامی حکومت نہ ہونے کے ہندوستان میں مفقود ہو گیا ہے۔ پس ضرور ہے کہ حالات کے بدل جانے کی وجہ سے جزئیات احکام بھی بدل جائیں، اور جو احکام قرار دیئے جائیں وہ وقت کی حالت اور مقتضیات کے مطابق ہوں۔ یہ اصل شرعی اگر پیش نظر نہ رہی، تو نہایت سخت ہرج اور بے عنوانی کا سامنا ہوگا

شریعت اسلامیہ نے مساجد و جماعت کی امامت کو ایک نہایت مقدس اور محترم منصب قرار دیا تھا، اور علم و عمل کے تمام فضائل و محاسن اس مقام سے وابستہ تھے۔ یہ صحیح اور کامل معنوں میں مسلمانوں کی جماعتی پیشوائی و سرکردگی کا مقام تھا، اور وہی لوگ اس کے اہل و احق قرار دیئے گئے تھے جو اپنے علم و عمل، زہد و تقویٰ، اور اخلاص و صداقت کی وجہ سے بزرگی و ریاست کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ یہ بات نہ تھی کہ امامت ایک باقاعدہ پیشہ اور معیشت بن گئی ہو، اور جس طرح ہر پیشہ ور مزدوری و معاوضہ پر اپنی خدمات فروخت

اس بارے میں جب متولیوں سے جواب طلب کیا گیا تو انہوں نے ایک اقرارنامہ پیش کیا جو متولیوں اور امام مسجد میں ہوا تھا اور جس پر امام مسجد کے دستخط ثبت ہیں۔ اس اقرار نامہ کا مضمون یہ ہے کہ تین سال کے لئے وہ امامت مسجد کی خدمت پر مامور کیا جاتا ہے۔ اور اسکے بعد متولیوں کو اختیار ہوگا کہ اس خدمت پر مامور رکھیں یا علٰحدہ کر دیں۔ امام مسجد سے دریافت کیا گیا کہ اس پر اسکے دستخط ہیں یا نہیں؟ تو اس نے تصدیق کی۔ البتہ اقرارنامہ کے پشت پر جو سطریں بڑھائی گئی تھیں اور انکے نیچے امام کا دستخط لیا گیا تھا، اس سے انکار کر دیا۔ ان سطور کا ماحصل یہ ہے "اگر اس تین سال کی مدت میں امام سے کوئی خلاف شرع بات سرزد ہوئی تو متولیوں کو اختیار ہوگا معزول کر دیں" اگر امام کے انکار کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ صرف ان سطور کی نسبت ہے۔ باقی مطالب شرائط نامہ سے اسے انکار نہیں اور اپنے دستخط مندرجہ شرائط نامہ کو تسلیم کرتا ہے۔

متولیوں کا بیان ہے کہ اس اقرار نامہ کی رو سے جب تین سال کی مدت ختم ہو گئی تو امام کو علٰحدگی کی نوٹس دیگئی۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی علٰحدگی کیوں خلاف شرع قرار دی جائے؟ موجودہ زمانہ میں مساجد کی تنخواہ دار امامت ایک طرح کی اجیر خدمت ہے جس کا معاملہ امام اور متولیان مساجد میں ہوا کرتا ہے پس اگر فریقین اپنی رضامندی سے کوئی معاہدہ کر لیں تو شرعًا وہ معاہدہ جائز و صحیح ہوگا۔ اور اس کی پابندی ضرور کرائی جائے گی۔ کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف موجود نہیں۔ امام نے اپنی مرضی سے تین سال کے لئے خدمت امامت اختیار کی تھی اور خود معاہدہ کیا تھا کہ اس کے بعد مزید تعلق کا کوئی حق نہ ہوگا۔ پس جب یہ مدت ختم ہو گئی تو وہ علٰحدہ کر دیا گیا۔ اس پر شرعًا کوئی اعتراض

اور محرابِ عبادت میں لے جاکر کھڑا کردیتی ہے!

جب اعمال، مقاصد، اور ہیئت و حالت میں اس درجہ تغیر ہوچکا ہے، تو ظاہر ہے کہ جو احکام ائمۂ مساجد کے حقوق کی نسبت کتبِ شرع میں درج ہیں، یا جو جزئیات اپنے زمانہ کی حالت کے مطابق فقہا نے متفرع کی ہیں، وہ کیونکر بجنسہٖ موجودہ زمانہ کے اماموں کے لئے مفید ہوسکتی ہیں؟ بلاشبہ محلہ اور مسجد ناحیہ کے اماموں کی بہ نسبت کتبِ فقہ میں درج ہے کہ اُن کے حقوق ہر طرح لایق تقدیم و ترجیح ہیں۔ لیکن اب وہ امام کہاں باقی رہے؟ فقہاء کے پیشِ نظر تو وہ امام تھے جو بلا کسی مالی معاوضہ کے محض اپنے علم و تقویٰ کی وجہ سے اس منصب پر مامور ہوتے تھے۔ بلاشبہ ایسے اماموں کو قاضی بھی بلا سببِ شرعی کے معزول نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ وہ محض اپنی اہلیت کی وجہ سے نصب ہوتے تھے، اور جب تک اُن کی اہلیت باقی ہے، معزول بھی نہیں ہوسکتے۔ لیکن موجودہ زمانے کا امام محض ایک مزدور ہے۔ تنخواہ کے تقرر اور متولیوں کے انتخاب کی وجہ سے امام ہوگیا ہے۔ اور امامت مثلِ معاملاتِ مزد و اُجرت کے فریقین میں ایک باہم معاملت ہوگئی ہے پس اگر متولی مقرر کرسکتے ہیں، تو معزول بھی کرسکتے ہیں۔ اور اُن کے اس اختیار و حق سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اگر متولیوں سے یہ اختیار سلب کرلیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام انتظاماتِ مساجد درہم برہم ہوجائینگے اور جس شخص کا جی چاہے گا، مصلیوں کے ایک گروہ کو ملاکر فوراً مسجد کا امام بن بیٹھے گا، اور چند دنوں کے بعد ارث و نسل کا مدعی ہوجائے گا۔

پس متولیوں کو شرعاً حقِ نصب و عزل، دونوں حاصل ہے، البتہ اُنکا فرض ہے کہ تقررِ امام سے پہلے اہلِ علم و شرع سے مشورہ کرلیں، اور ایسے

کر دیتا ہے، اُسی طرح خدا کی عبادت کی امامت بھی فروخت کی جاتی ہو۔ دارالخلافہ کی امامت خود خلیفہ و امام وقت کے وظائف میں داخل تھی، اور دیگر بلاد میں نیابتہً گورنر اور والیانِ ملک انجام دیتے تھے۔ جامع مسجد کے علاوہ جو عام مسجدیں ہوتی تھیں، اُن میں امام کا تقرر حکومت کی جانب سے ہوتا تھا۔ محلہ کی جو چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہوتی تھیں، اُن میں اُن نواح کے اہل اور احق بزرگ امامت کرتے تھے۔ اور حکومت اُن کے حق امامت کا اعتراف کرتی تھی۔ کتب فقہ میں "امام محلہ" اور "امام ناحیہ" سے مقصود ایسے ہی امام ہیں۔ لیکن یہ لوگ تنخواہ دار امام نہیں ہوتے تھے۔ اہلِ علم و تقویٰ تھے جنکو اُن کی بزرگی و پیشوائی کی وجہ سے امامت کا منصب خود بخود حاصل ہو جاتا تھا۔

لیکن اب صدیوں سے حالت دوسری ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کے عالمگیر علمی و عملی تنزل، مفاسد علم و عمل کے شیوع، اخلاص و ایثار کے فقدان، دنیا پرستی و دین بازی کی مصیبت، اور اسلامی حکومتوں کی جگہ غیر مسلم حکومتوں کے قیام سے مسلمانوں کا تمام نظامِ جماعت درہم برہم ہو گیا ہے، اور تمام جماعتی و شرعی اعمال اپنی اصلی حالت سے متغیر ہو کر بالکل ایک نئی صورت و شکل میں باقی رہ گئے ہیں۔ از انجملہ اجیر و تنخواہ دار ائمہ مساجد کا فتنہ ہے جس کی وجہ سے نماز و جماعت کی تمام برکات مفقود ہو گئی ہیں۔ اور امامت کا مقدس اور ذمہ دار مقام، مزدوری اور اُجرت کا ایک کاروباری پیشہ بن کے رہ گیا ہے۔ مساجد کے انتظام کی عموماً یہ حالت ہے کہ ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص اُن کے متولی ہوتے ہیں، یا محلہ اور شہر کے مسلمانوں کے ہاتھ اس کا انتظام ہوتا ہے، اور وہ مختلف مقدار کی تنخواہوں پر اماموں کو نوکر رکھ لیتے ہیں۔ امام بھی مثل ایک پیشہ کے اس کام کو انجام دیتا ہے۔ اور عبادت الٰہی کے عشق و طلب کی جگہ چند روپیوں کی نوکری کی کشش اُسے کھینچتی ہے۔

یکقلم خالی ہیں، اور جاہل مولود خواں اماموں کی وجہ سے طرح طرح کے مفاسد پھیل گئے ہین، لوگ علانیہ نماز غلط طریقہ پر پڑھتے ہیں، صفوں کو توڑتے ہیں، صف بندی نہیں کرتے۔ اقامتِ مکتوبہ یعنی جماعت فرض کے قیام کے وقت سُنن نوافل پڑھنے لگتے ہیں، مساجد میں خلاف شرع و سُنّت افعال کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن انکو ٹوکنے والا اور ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اوّل تو یہ عرب امام خود ہی احکام شرع سے بے خبر ہوتے ہیں، اور اگر واقف ہوں بھی تو اُردو زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مصلیوں کو نصیحت و ہدایت نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ امامت کے لئے جو وجوہ ترجیح ہیں، ان میں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کی قرأت عمدہ طور پر کر سکتا ہو لیکن ساتھ ہی علم کتاب و سُنّت کی واقفیت بھی ضروری ہے، اور علی الخصوص جامع مسجد کی امامت جمعہ کے لئے تو ایسے لوگوں کو مقرر کرنا چاہئے جو صاحب علم و عمل ہوں۔ یہ کس شریعت کا حکم ہے کہ امام ہمیشہ عرب ہی ہوا کرے اگرچہ جاہل ہو؟ برسوں سے یہی رسم اس مسجد میں بھی چلی آتی ہے۔ اور متولیوں نے اس کو بھی گویا ایک قانونِ شرع سمجھ لیا ہے۔ اگر مصلیوں میں علم و فہم ہوتا تو وہ اور باتوں کو چھوڑ کر اس بات پر زور دیتے، اور متولیوں سے مطالبہ کرتے کہ امامت کے لئے ہندوستان کے کسی صاحب علم و تقویٰ شخص کا انتخاب عمل میں آئے۔

یؤم القوم اقرؤھم کا مطلب

اس موقعہ پر مناسب ہوگا کہ ایک عام غلط فہمی دُور کردی جائے۔ حدیث میں آیا ہے یؤم القوم اقرؤھم (او کما قال) یعنی جماعت میں امام وہ ہو جو سب سے زیادہ قاری ہو۔ اس زمانے میں تنزّل علم کی وجہ سے "قاری" وہ کہلاتا ہے جس نے قرآن کی عبارت کو اچھی لَے میں پڑھنا سیکھ لیا ہو۔ اور عربی مخارج و تلفظ حروف کی مشق کر لی ہو۔

شخص کو مقرر کریں جو بہتر و اصلح ہو، اور اس کے تقرر سے تمام مصلی خوشنود ہوں لیکن شرعاً ان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نصب کرنے سے پہلے مصلیوں کی رائے بھی ضرور دریافت کریں کیونکہ انتخاب امام اُن کی رائے پر مفوض ہے، اور مساوی قابلیت کے اشخاص میں سے کسی ایک شخص کو ترجیح دینا اُن کے حقوقِ تولیت میں داخل ہے۔

احادیث میں ایسے امام کے لئے سخت وعید آئی ہے جسکی امامت کو مقتدی مکروہ رکھتے ہوں۔ پس اگر متولیوں نے کوئی امام مقرر کیا، اور مصلیوں کی غالب جماعت نے اُسے پسند نہیں کیا، تو متولیوں کے لئے ضروری ہوگا کہ اُس کی جگہہ دوسرے شخص کو مقرر کریں۔

کلکتہ اور بمبئی کے عرب امام۔

یہاں چند الفاظ میں اُس طرز عمل کی نسبت بھی لکھ دینا چاہتا ہوں جو امامت کے بارے میں کلکتہ او بمبئی کی مساجد نے عرصہ سے اختیار کر رکھا ہے۔ اِن دونوں مقامات میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ عموماً امامت کے لئے کسی عرب امام کو ڈھونڈھکر رکھا جاتا ہے، اور اگر وہ حجاز کا باشندہ ہو تو اُس کو مسجد کے لئے ایک بڑی ہی فضیلت سمجھا جاتا ہے۔ یہ عرب امام عموماً جاہل اور غیر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ عُلومِ شرعیت سے اُنہیں کوئی واقفیت نہیں ہوتی۔ صرف جمعہ کے چھپے ہوئے خطبے یاد کر لیتے ہیں، یا برزنجی کی کتاب مولد حفظ کر لیتے ہیں۔ بیچارے ناخواندہ اور ضعیع الاعتقاد میمنوں اور سورتیوں کے لئے کسی شخص کا مولود خواں ہونا اور عربی میں مولود کا پڑھنا بڑے ہی فضل و کمال کا درجہ ہے، اِس لئے وہ اُن کا ہاتھ چومتے ہیں اور مسجد کی امامت کے لئے اُن سے بہتر کسی شخص کو نہیں سمجھتے۔ اِس حالت کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ [illegible] بڑی بڑی تنخواہوں کے خرچ کرنے کے بیمسجدیں اہل علم و شرع سے

صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی ہی میں حضرۃ ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو امام بنایا تھا۔ اسلئے ضرور ہے کہ وہ تمام مجمع صحابہ میں سب سے زیادہ قاری ہوں کیونکہ امام اُسی کو بنانا چاہئے جو اقرء ہو۔ اور آنحضرۃ کا فعل قول کے مخالف نہیں ہوسکتا۔ اب جن معنوں میں حضرۃ ابوبکر کا قاری ہونا ثابت ہوگا، وہی صحیح معنی قاری کے ہوں گے۔

لیکن یہ بات بالاتفاق معلوم ہے کہ مجمع صحابہ میں حضرۃ ابوبکر کو باعتبار حسن صوت کے کوئی خاص مزیت حاصل نہ تھی۔ اُن سے بہتر آواز رکھنے والے صحابی موجود تھے۔ حضرۃ ابن مسعود سے آنحضرتؐ نے سورۃ نساء سنی اور چشم پرآب ہوگئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا حسن صوت مسلّم ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا ان کو نغمۂ داؤدی عطا ہوا ہے۔ البتہ حضرت ابوبکر کو جو کچھ فضیلت تھی، وہ علم وفہم قرآن اور ذوق وحی وشریعت میں تھی۔ پس اگر قاری کے وہی معنی کئے جائیں جو آجکل کئے جاتے ہیں۔ تو چاہئے تھا کہ حضرت ابوبکر کی جگہ ابوموسیٰ اشعری وغیرہ امام بنائے جاتے۔ مگر آنحضرۃ نے ایسا نہیں کیا۔ اور اس سے ثابت ہوگیا کہ اقرء سے مقصود اعلم بالکتاب ہے۔

چنانچہ اسی بناپر علماء محققین نے یؤم القوم اقرءوھم اور واقعۂ امامت ابوبکر کو جمع کیا، اور اس سے اُن کے کمال علم وفہم قرآن پر استدلال کیا۔ نیز واضح کردیا کہ اقرء سے مقصود اعلم ہے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں "کان الصدیق اقرأ الصحابہ۔ ای اعلمھم بالقرآن لانہ صلعم قدمہ اماماً للصلوٰۃ مع قولہ یؤم القوم اقرءوھم لکتاب اللہ" (قالہ فی التفسیر) یعنی حضرت ابوبکر تمام صحابہ میں سب سے زیادہ قاری تھے۔ پھر قاری ہونے کے یہ معنی کئے ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھتے تھے۔

پس حدیث کا بھی مطلب لوگوں نے یہی قرار دیا ہے کہ جو شخص ان معنوں میں قاری ہو، وہی امامت کا زیادہ اہل ہے۔ لیکن حدیث کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔ اور جس شخص کو صدر اوّل کی بول چال سے ایک ذرا بھی مناسبت بھی ہو گی۔ وہ کبھی اسکے یہ معنیٰ نہ کریگا۔ حدیث میں قرأت سے مقصود محض عبارت اور حروف کی قرأت نہیں ہے۔ بلکہ وہ قرأت ہے جو علم اور تدبّر کے ساتھ ہو۔ یعنی جو شخص قرآن کو علم و فہم کے ساتھ زیادہ پڑھتا پڑھاتا ہو، اُسکو امام بنانا چاہیئے۔ صدر اوّل میں علماء قرآن کا نام قرّاء تھا۔ یعنی قاری۔ کیونکہ عربی داں ہونے کی وجہ سے ایسے قاری کا اُنہیں وہم و گمان بھی نہ تھا جو بلا مطلب سمجھے طوطے کی طرح عبارت رٹتا ہو۔

حدیث و آثار کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرامین میں جا بجا اس طرح کے احکام ثبت ہیں کہ قاریوں کو ترجیح دی جائے۔ قاریوں کے وظائف زیادہ ہوں۔ فوجی عہدے اُن کو دیئے جائیں جو کم سے کم زہراوین یعنی سورۂ بقرہ و آل عمران کے قاری ہوں۔ کیا کوئی صاحبِ عقل گمان کر سکتا ہے کہ یہاں قاریوں سے مقصود محض الفاظ و عبارت کے قاری تھے؟ اور کیا جو شخص سورۂ بقرہ و آلِ عمران کی عبارت پڑھ لے اُس کو فوج کی کمان کرنے کی قابلیت حاصل ہو جاتی ہے؟ اگر ایسا ہی ہو تو مکتب کا ہر بچہ اور ہر میانجی سپہ سالار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بقرہ و آلِ عمران کی جگہ پورا قرآن اُسے ازبر ہے!۔

اس بات کا بہترین فیصلہ یوں ہو سکتا ہے کہ امامت کے لئے جس وجود نے اقرء ہونے کی قید لگائی تھی، اخود اُسی کا طرز عمل دیکھا جائے تاکہ سنۃ قولی کی سنۃ فعلی سے تفسیر ہو جائے۔ یہ بات ہر مسلمان اہلِ علم کو معلوم ہے کہ آنحضرۃ

افلاس اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے متولی مستوجب عزل ہو جائینگے۔ البتہ ترک نماز وجماعت کا الزام قابلِ غور ہے۔ اور اس بارے میں جو شرعی حکم ہے اُسی ظاہر کردینا چاہیئے۔

ترک صلوٰۃ کی ایک صورت یہ ہے کوئی شخص پانچ وقت کی جماعت میں حاضر ہونا ترک کردے۔ لیکن اس بات کا بھی کوئی کھلا ثبوت موجود نہ ہو کہ وہ گھر میں نماز نہیں پڑھتا، تو اگرچہ بالالتزام جماعت کی شرکت ترک کردینا بھی گناہ ہے لیکن اسکی بنا پر کسی شخص کو ہم تارک صلوٰۃ نہیں کہہ سکتے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص یک قلم جمعہ وجماعت کی شرکت ترک کردے اور باوجود کسی صحیح مانع نہ ہونے کے کبھی جماعت میں نظر نہ آئے، تو یقیناً ایسا شخص فاسق ہے، اور ہرگز اسکا اہل نہیں کہ خدا کی عبادت گاہ کا امین ومحافظ ہو۔ ضرور مسلمانوں کو حق پہنچتا ہے کہ ایسے شخص کے عزل کا مطالبہ کریں۔ انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الاخر واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ۔ فعسیٰ اولٰئک ان یکونوا من المھتدین

مسجد اور مجالس وعظ وتذکیر

(ح) مدعیوں کا بیان ہے کہ متولیوں نے مسجد میں علماء کا وعظ بند کردیا ہے۔ متولیوں کا جواب یہ ہے کہ جمعہ کے وعظ کے لئے متولی سے اجازت لینے کا طریقہ سابق سے چلا آتا ہے اور اسی پر اُنہوں نے بھی ایک دوبار زور دیا ہے یہ صحیح نہیں ہے کہ عام طور پر وعظ کا سلسلہ بند کردیا گیا ہو۔

مدعیوں نے اس بارے میں کوئی تحریری یا زبانی شہادت پیش نہیں کی۔

میں اس فیصلہ میں یہ ظاہر کردینا چاہتا ہوں کہ مسجد مسلمانوں کیلئے

استدلال اُن کا یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا امام وہ ہو جو سب سے زیادہ قاری ہو۔ اور پھر حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ امام ہوں۔ پس اِس سے ثابت ہوا کہ وہی سب سے زیادہ قرآن کے عالم و ماہر تھے۔ انتہیٰ۔

اسی بنا پر حضرۃ امام ابوحنیفہؒ نے استحقاقِ امامت کے بارے میں علمِ کتاب و سنۃ کو ترجیح دی اور کہا کہ جو سب سے زیادہ کتاب و سنۃ کا علم رکھتا ہو، اُسی کو آگے کیا جائے۔ پس احناف کو تو اِس بارے میں کوئی ردّو کد کرنی ہی نہیں چاہیئے۔

تعجب ہے کہ باوجود اِس کے لوگوں نے اِس معاملہ کی جانب سے بالکل آنکھیں بند کرلی ہیں۔ اور صرف اِس بات کی جستجو میں رہتے ہیں کہ حافظ اور قاری الفاظ کون ہے۔ اگرچہ وہ علمِ قرآن و سنۃ سے بالکل کوراہی کیوں نہ ہو؟ ۔ اِس غلطی کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مقدس مقام یکسر عوام و جہال کے قبضے میں آگیا ہے۔ اور شریعت نے ائمۂ مساجد کے ذریعہ قوم کی تعلیم و ہدایت کا جو انتظام کیا تھا وہ بالکل درہم برہم ہوگیا ہے۔

تولیتِ مسجد اور ترکِ نماز و جماعت

(ز) موجودہ متولیوں کی نسبت مدعیوں کا بیان ہے کہ وہ مفلس، مقروض، ناتجربہ کار، اور تارکِ نماز و جماعت ہیں۔ اِسلئے متولی ہونے کے اہل نہیں۔

متوّلی کے لئے جو امر عزل کا موجب ہو سکتے ہیں، وہ دو قِسم کے ہیں؛ ایک قسم عام شرعی وجوہ کی ہے۔ اور ایک قسم اُن وجوہ کی جو واقف کی مقرّرہ شرائط سے تعلق رکھتے ہوں۔ لیکن افلاس اور ناتجربہ کاری، دونوں قسموں میں سے کسی قسم میں داخل نہیں۔ نہ شرعًا افلاس اور قلتِ تجربہ و عمر مانعِ تولیت ہیں، نہ شرائطِ مقررۂ واقف میں یہ درج ہے کہ

انہوں نے یہ سلسلہ ترک کر دیا اور کوئی بالالتزام سلسلۂ وعظ باقی نہیں رہا
باہر سے جب کوئی عالم و واعظ آجاتا تو متولی سے اجازت لے کر جمعہ کے
دن وعظ بیان کر دیتا۔ طریقہ اسکا یہ تھا کہ جمعہ سے پہلے وہ یا اُسکا وعظ
کرانے والے حاجی نور محمد کو اطلاع دیدیتے تھے اور اُن کی جانب سے مؤذن کو
اطلاع دیدی جاتی تھی۔ مؤذن جماعت کے بعد اعلان کر دیتا کہ آج وعظ ہوگا۔

اگر اِس طرح کا طریقہ اب بھی متولیوں نے رکھا ہو، تو یہ قابل اعتراض نہیں ہے
قرینِ مصلحت ہے۔ البتہ اسکا انتظام ضرور ہونا چاہیئے کہ متولی یہ کام کسی اہلِ علم
کے سپرد کر دیں کیونکہ وہ خود اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ کون شخص وعظ بیان
کرنے کا اہل ہے اور کون نا اہل؟۔

پولیٹکل مجالس اور مساجد

یہاں میں یہ بات بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کچھ
دنوں سے منعِ مجالس و مواعظ کی ایک نئی صورت بھی
پیدا ہوگئی ہے، اور متعدد مقامات کی مسجدوں متولیوں نے اُس سے کام
لیا ہے۔ مسجدوں میں جو مجالس اسلام اور مسلمانوں کے حقوق قومی و ملکی کے تحفظ
کے لئے منعقد ہوتی ہیں یا ایسی تقریریں کیجاتی ہیں جن میں مخالفین و اعدائے اسلام
کے برخلاف مسلمانوں کو حفظ اسلام و ملت پر آمادہ کیا جاتا ہے یا گورنمنٹ
کے جبر و استبداد کے خلاف اظہار حق کیا جاتا ہے، اس کو بعض متولیانِ
مسجد یہ کہکر روک دیتے ہیں کہ یہ پولیٹکل مجلسیں ہیں، اور مسجد میں نہیں
ہونی چاہئیں۔ میں یہاں تبلا دینا چاہتا ہوں کہ کسی متولی مسجد کو ایسی مجالسِ
حقّہ کے روکنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اور ایسی تمام مجلسوں کے انعقاد کی
بہتر و صحیح جگہہ صرف مسجد ہی ہے۔

وہ تمام جماعتی اور مجلسی کام جو اسلام اور مسلمانوں کے نفع کے لئے ہوں

ہر طرح کے وعظ و ہدایت تذکیر و بیان، اجتماع و مجالس اور درس و تدریس علم کی جگہ ہے جنکا تعلق مسلمانوں کے نفع و اصلاح سے ہو۔ اور کسی متولی کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ شریعت نے جن اعمال کی مسجد میں اجازت دیدی ہے اُن سے مسلمانوں کو روک دے۔ علی الخصوص وعظ و ہدایت سے کہ موضوع مسجد میں داخل ہے۔ البتہ بدقسمتی سے آجکل جو حالت ہمارے تنزل علم و علماء کی ہو رہی ہے اور علماء حق کی قلت اور علماء سوء کی کثرت سے جو فتنۂ عظیم پیدا ہو گیا ہے، نیز اہل علم و اصحاب ارشاد کے لئے کسی نمایاں امتیاز اور معیار نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح ہر قصاص و واعظ اور صاحب عمامہ عالم بن بیٹھا ہے، ان تمام مفاسد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ مساجد و جوامع میں واعظین کے لئے کوئی نہ کوئی پابندی ضرور لگادی جائے، اور جب تک کسی واعظ کی نسبت اطمینان نہ ہو جائے کہ واقعی صاحب علم اور اہل مقام ہے، اُسوقت تک منبر پر چڑھنے کی اجازت نہ دیجائے۔ یہی بے امتیاز و بے قید وعظ گوئی ہے جس کی بدولت ہندوستان کی مسجدوں میں باہم جنگ و جدال کے کیسے کیسے ناگوار واقعات رونما ہو چکے ہیں، اور مذہبی وعظ و مباحثہ کے نام سے عین خانۂ خدا کے اندر خونریزیاں تک کیجا چکی ہیں۔ پس یقیناً مصالح شرعیہ کا مقتضا بھی یہی ہے کہ متولیان و منتظمین مساجد کی جانب سے کوئی نہ کوئی قاعدہ اور روک اس بارے میں ضرور قائم کردی جائے، اور بجز اصحاب علم و ہدایت کے جن کے علم و ارشاد کی نسبت پوری طرح اطمینان ہو، ہر قصاص و واعظ کو بلا قید اجازت نہ دی جائے۔

اس مسجد کے قدیم حالات یہ ہیں کہ ابتدا میں آٹھ نو سال تک مسلسل ہر جمعہ کو والد مرحوم کا وعظ ہوا کرتا تھا اور کوئی وعظ نہیں ہوتا تھا۔ ۱۳۱۳ھ میں

(۱) مسجد اور مسجد کی جائداد پر موجودہ ٹرسٹ کا قبضہ و تصرف جائز و درست ہے اور بہ حیثیت متولی ہونے کے اُنکے تمام شرعی حقوق واجب التسلیم ہیں۔

(۲) مدعا علیہم کا یہ بیان مسجد صرف کچھی میمن جماعت کیجانب سے بنائی گئی ہے اور صرف وہی قانوناً اسکے متولی ہو سکتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ مسجد کیلئے اصلی شرائط تولیت وہی ہیں جو شمس النساء بیگم کے تولیت نامہ ۱۸۵۶ء میں درج ہیں۔ ان شرائط کی رو سے ہر مسلمان مسجد کا متولی منتخب ہو سکتا ہے کسی خاص جماعت کی قید نہیں ہے۔

(۳) نہ تو مدعیوں کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ متولیوں کا انتخاب عام مسلمانوں کی رائے سے ہونا چاہئے، اور نہ ۱۹۰۷ء کے راضی نامہ مابین حاجی نور محمد و کچھی میمن جماعت کی یہ شرط صحیح ہے کہ کچھی میمن جماعت کی رائے سے انتخاب ہونا چاہئے۔ تولیت نامہ میں درج ہے کہ جب کسی متولی کی جگہ خالی ہو تو بقیہ متولی کثرت رائے سے ایک نیا مسلمان متولی منتخب کرلیں پس یہی قاعدہ آئندہ بھی جاری رہیگا

(۴) احکام شرع اس بارے میں یہ ہیں کہ متولی ایسا شخص منتخب کرنا چاہئے جو دیانتدار ہو، صاحب عقل و رائے ہو، مسلمانوں میں معتبر و پسندیدہ ہو، صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو، منہیاتِ شرعیہ سے مجتنب ہو۔

(۵) مصلیوں کو چاہئے کہ متولیوں کے منصب اور اقتدار کی رعایت کریں اور اُنکے کاموں میں اسطرح دست اندازی نکریں کہ انتظامات درہم برہم ہو جائیں، متولیوں کو چاہئے کہ اپنے آپکو مسلمانوں کی مسجد کا خادم سمجھیں، اور جب کبھی مسجد کے متعلق کوئی اہم معاملہ پیش آجائے تو حتی الامکان مصلیوں کو بھی رائے دینے کا موقعہ دیں اور باہم مشورت و اتفاق سے کام کریں

(۶) متولیوں کی نسبت کوئی الزام خیانت کا، یا تصرف بیجا کا، یا بدنظمی کا ثابت نہیں ہوا۔ اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ اُنہوں نے حتی الوسع مسجد کی رونق و آبادی کو ترقی دی ہے اور اسکی آمدنی کو عمدہ طور پر بڑھایا ہے۔ اور اُن انتظام قابلِ اعتماد ہے۔

(۷) اگرچہ تولیت نامہ کہ قانون کی رو سے تولیت میں کوئی قید جماعت کی نہیں ہے

مسجد میں کئے جاسکتے ہیں۔ خواہ پولیٹیکل ہوں خواہ غیر پولیٹیکل احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مسجد ہی مسلمانوں کی پارلیمنٹ تھی۔ مسجد ہی میں ہر طرح کے ملکی مسائل پر غور کرنیکے لئے مجالس منعقد ہوتی تھیں مسجد ہی میں خراج و غنیمت تقسیم کیا جاتا تھا۔ اور مسجد ہی میں میدان جنگ کے لئے فوجیں مرتب کیجاتی تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کے ابواب احکام مسجد سے یہ امور بخوبی ثابت ہیں۔ اور ان احکام سے تمام کتب شرع معمور ہیں۔ میں اس مسئلہ کو بعض رسائل میں مشرح طور پر لکھ چکا ہوں۔

متولیان مسجد کی جوابدہی اور مطالبۂ حساب فہمی

باقی رہی یہ بات کہ متولیان مسجد کس کے آگے جوابدہ ہیں، اور کون ہے جسکو اُنسے بازپرس کرنے اور حساب طلب کرنے کا بطریق صحیح حق حاصل ہے؟ تو اسکا جواب صرف ایک ہی ہوسکتا ہے یعنی عام مسلمان اور مسلمانوں کی جماعت وہ مسجد کے متولی صرف میمن جماعت کیجانب سے نہیں ہیں بلکہ شمس النساء بیگم کے تولیت نامہ کی بنا پر ہوئے ہیں جسنے بلاتخصیص جماعت نسل عام مسلمانو کیلئے مسجد قرار دیا اور اگر بالفرض صرف میمن جماعت ہی کیجانب سے متولی ہوتے جب بھی تمام مسلمانونکو حق حاصل تھا کہ مسجد کے انتظامات اور اسلامی اوقات کی نسبت عندالضرورت بازپرس کریں اور اسطرح کی جوابدہی کی ذمہ داری سے متولیونکو چیں بجبیں نہیں ہونا چاہئے۔

مجکو یقین ہے کہ اگر متولیوں نے مسجد کے انتظامات سے عام پبلک کو واقفیت کا موقعہ دیا ہوتا تو اسطرح کی غلط فہمیاں پیدا نہ ہوتیں آیندہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کم از کم ایک سالانہ رپورٹ مسجد کے مداخل و مخارج کی عام واقفیت کے لئے شائع ہوتی رہے۔ میں نے اختیارات فیصلہ سے کام لیکر متولیونکو ہدایت کرتا ہوں کہ آیندہ سالانہ رپورٹ شائع کریں۔

فیصلہ کا خلاصہ

اس تمام تفصیل و بحث کے بعد میں فیصلہ کرتا ہوں کہ :-

اور ہر مسلمان صالح و اہل متولی منتخب ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ ابتدا سے لیکر اسوقت تک مسجد کی تعمیر اور خدمت میمن جماعت ہی کے ہاتھوں انجام پائی ہے، اور اس کام کو اسوقت تک اُنہوں نے بلا کسی خیانت اور بے عنوانی کے انجام دیا ہے۔ اسلئے مصلحتِ شرعی اسی کی مقتضی ہے کہ آیندہ بھی یہ خدمت اُنہی کے سپرد رہے، اور میں کوئی وجہ شرعی نہیں پاتا جسکی بنا پر ٹرسٹ کو مجبور کیا جائے کہ وہ غیر میمن مسلمانوں کو ضرور ہی متولی بنائیں۔ علے الخصوص ایسی حالت میں جبکہ آجکل کی مساجد و اوقاف کی بدنظمیاں پیشِ نظر ہیں اور ایک کام میں مختلف جماعتوں کی شرکت سے باہم اختلاف و نزاع اور تصادم اغراض و آراء کے مفسدات پیدا ہو جاسکتے ہیں۔ نصف صدی سے یہ مسجد اسی لئے محفوظ ہے، اور ترقی کر رہی ہے کہ صرف ایک ہی جماعت کے قبضہ میں اس کا انتظام رہا۔

(۸) مکان نمبر ۱۔ داؤد جوزف لین۔ نمبر ۱۸۔ ایضاً نمبر ۲۳۔ امرتلا لین۔ اور نمبر ۶۔ ہاسپٹل لین کچھی میمن خیرات ٹرسٹ کی ملکیت ہیں۔ نہ کہ مسجد کی۔

(۹) قبرستان واقع مانک تلا کچھی میمن جماعت کا قبرستان ہے۔ اور اُن کو خاص حقوق تدفین و تولیت کے حاصل ہیں۔ (۱۰) میں متولیوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ آیندہ سے وہ مسجد کے مداخل و مخارج اور انتظامات کی سالانہ رپورٹ باقاعدہ مرتب کیا کریں۔ اور عام مسلمانوں کی واقفیت کے لئے اُردو میں چھاپکر شائع کرتے رہیں۔

مقدمہ کے مصارف کی نسبت پہلے ہی یہ بات فریقین میں طے پاچکی ہے کہ ہر فریق اپنے مصارف کا ذمہ دار ہوگا۔ اور چونکہ متولیوں کو یہ جوابدہی کچھی میمن ٹرسٹ کی حفاظت کے لئے کرنی پڑی۔ اسلئے میں اجازت دیتا ہوں کہ متولی تمام مصارف مقدمہ ٹرسٹ مذکور کے مخارج میں داخل کر سکتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

دستخط۔
ابوالکلام احمد

۲۰ شعبان ۱۳۳۹ھ کلکتہ۔

ستارۂ ہند پریس کلکتہ میں چھپا

مرزا اکبر حسین دہلوی

وحیدی پریس